بعثتِ انبیاء و رسل کا اساسی مقصد ——— اور

بعثتِ محمدی کی تمامی و تکمیلی شان ——— نیز

انقلابِ نبوی کا اساسی منہاج ———

ایسے اہم موضوعات پر

ڈاکٹر اسرار احمد

کی

حد درجہ جامع تصنیف

نبی اکرم ﷺ کا مقصدِ بعثت

کا مطالعہ کیجیے

اعلیٰ سفید کاغذ ○ عمدہ طباعت ○ دیدہ زیب کتابت

مرکزی انجمن خدام القرآن ○ ۳۶۰ کے ماڈل ٹاؤن ○ لاہور

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

(البقرہ: ۲۶۹)

حکمت قرآن

ماہنامہ — لاہور

بیادگار: ڈاکٹر محمد رفیع الدین ایم اے، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ، مرحوم

مدیر اعزازی: ڈاکٹر ابصار احمد، ایم اے، ایم فل، پی ایچ ڈی

نائب مدیر: حافظ عاکف سعید، ایم اے (فلسفہ)

معاون: حافظ خالد محمود خضر، ایم ایس سی

جلد ۱۹ | جمادی الاخریٰ ۱۴۲۱ھ — ستمبر ۲۰۰۰ء | شمارہ ۹

— یکے از مصبوعات —

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

۳۶۔ کے۔ ماڈل ٹاؤن۔ لاہور ۱۴۔ فون: ۵۸۶۹۵۰۱

کراچی آفس: ۱۱ واؤ منزل متصل شاہ بحری، شاہراہ لیاقت کراچی فون: ۲۶۵۸۶

سالانہ زرتعاون -/۸۰ روپے، فی شمارہ -/۸ روپے

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حرفِ اوّل

حکمت قرآن کے گزشتہ شمارے کے انہی صفحات میں مرکزی انجمن کے صدر مؤسس ڈاکٹر اسرار احمد کے ۴/اگست کے خطاب جمعہ کے حوالے سے نظریہ پاکستان کی جڑ کاٹنے کی اس سازش کا ذکر تھا جس کا علم کچھ سیکولر مزاج دانشوروں نے گزشتہ چند ماہ سے بڑے اہتمام سے بلند کر رکھا تھا۔ یہ دانشور حضرات حقائق کو توڑ مروڑ کر یہ ثابت کرنے پر تلے ہوئے ہیں کہ قائد اعظم پاکستان کو ایک سیکولر نیشن سٹیٹ بنانا چاہتے تھے' ایک مثالی اسلامی ریاست بنانا ان کے پیش نظر نہیں تھا ـــــ!!! اسی حوالے سے گزشتہ دنوں راقم السطور نے "ندائے خلافت" کے لئے جو مختصر تحریر سپرد قلم کی تھی' ذیل میں قارئین "حکمت قرآن" کی نذر ہے :

"مقام حسرت ہے کہ اسلام کے نام پر بننے والے دنیا کے واحد اسلامی ملک کا طبقۂ دانشوران آج اس دو قومی نظریئے کی نفی کے درپے ہے جو اس ملک کے لئے بنیاد و اساس اور واحد وجہ جواز کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ طبقہ تحریک پاکستان میں اسلامی عنصر کی موجودگی اور اثر انگیزی کا بھی انکاری ہے۔ مزید ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے حکمران طبقے کے بعض ذمہ دار حضرات کی زبان سے جھڑنے والے غیر محتاط اور گمراہ کن بیانات ہی سے شہ پاکر ہمارا سیکولر طبقہ' جو شاید موروثی طور پر اپنے مسلمان ہونے پر بھی دل ہی دل میں خفت محسوس کر رہا ہے' حقائق کی تکذیب اور دین کی تضحیک پر کمربستہ ہے اور اپنے زبان و قلم کا سارا زور یہ ثابت کرنے پر صرف کر رہا ہے کہ قائد اعظم پاکستان کو اسلامی ریاست نہیں بلکہ ایک سیکولر اسٹیٹ بنانا چاہتے تھے۔ "حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں!!"

یہ نام نہاد دانشور جو ہلدی کی ایک گانٹھ ملنے پر بزعم خویش پنساری بن بیٹھے ہیں' اپنی جھولی میں قائد اعظم کا ایک جملہ لئے پھرتے ہیں جو ۱۱/اگست ۱۹۴۷ء کا ہے۔ ان کی کل پونجی اور کل سرمایہ حیات قائد اعظم کا بس یہی ایک جملہ ہے۔ قائد اعظم کے وہ سینکڑوں بیانات جن میں صراحت کے ساتھ پاکستان کو نمونے کی اسلامی ریاست بنانے کا ذکر ملتا ہے' ان کے نزدیک پرکاہ کی حیثیت نہیں رکھتے ـــــ ان حضرات کی اس سیکولر سوچ نے انہیں اس درجے متعصب اور کوتاہ چشم بنا دیا ہے کہ وہ اس اہم حقیقت کو فراموش کئے دے رہے ہیں کہ اگر ان کے موقف کو درست تسلیم کر لیا جائے تو اس کی زد براہ راست قائد اعظم کے

(باقی اندرونی ٹائٹل' صفحہ ۳ پر)

درس ۱۷

جہاد و قتال فی سبیل اللہ کے موضوع پر
قرآن حکیم کی جامع ترین سورۃ
سُورۃ الصَّف

(۴)

نبی اکرم ﷺ کے مشن کا لازمی تقاضا
جہاد فی سبیل اللہ

اَحْمَدُہٗ وَاُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ — اَمَّا بَعْدُ :
اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ — بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۃ الصف کے عمود کی تعیین اور اس کی مرکزی آیت کے اکثر حصے پر غور و فکر کر لینے کے بعد اب آیئے کہ ہم اس سورۂ مبارکہ پر بحیثیت مجموعی غور کریں۔ لیکن اس سے قبل اس سورۃ کی مرکزی آیت یعنی آیت نمبر ۹ کے آخری ٹکڑے کے حوالے سے ایک اور عظیم حقیقت کی طرف توجہ کرنا مفید ہو گا۔

آیت کے آخری ٹکڑے کا مفہوم

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے سورۃ الصف کی وہ مرکزی آیت قرآن مجید میں تین مقامات پر آئی ہے۔ ایک مقام پر اس کا اختتام ﴿ وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْداً ﴾ کے الفاظ پر ہوتا

ہے۔ اس میں تو گویا اشارہ ہے اسی بات کی طرف جو اس سے پہلے سورۃ الحج کے آخری رکوع کے درس کے ضمن میں عرض کی جا چکی ہے کہ رسول اگر اپنا فرضِ منصبی ادا کر دیں تو گواہی کے لئے اللہ کافی ہے۔ اس حوالے سے سیرتِ طیبہ کا وہ اہم واقعہ ذہن میں تازہ ہو گیا ہو گا کہ حجۃ الوداع کے موقع پر آنحضور ﷺ نے تمام حاضرین سے یہ گواہی لینے کے بعد کہ میں نے حق تبلیغ ادا کر دیا' آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے بھی عرض کیا : اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ' اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ! کہ اے اللہ تو بھی گواہ رہ! میرے پاس تیری دو امانتیں پہنچی تھیں' ایک تیری کتاب' جسے میں نے امت تک بلاکم و کاست پہنچا دیا' حق تبلیغ ادا کر دیا' دوسرے دین حق' جسے تیری تائید اور اپنے صحابہ کے تعاون سے میں نے تئیس سالہ محنت شاقہ کے نتیجے میں جزیرہ نمائے عرب پر بالفعل قائم کر دیا۔ اب یہاں تیرا ہی بول بالا ہے' تیرا ہی حکم نافذ ہے اور تیرا ہی جھنڈا سب سے بلند ہے۔ وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَھِیْداً۔ اس کی شہادت اور گواہی کے لئے اللہ کافی ہے۔

بقیہ دو مقامات پر یعنی سورۃ التوبہ اور سورۃ الصف میں یہ آیت ﴿ وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ ﴾ کے الفاظ پر ختم ہوتی ہے ـــــ "چاہے یہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار ہو" ـــــ اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ تصادم ناگزیر ہے۔ مشرک کبھی گوارا نہ کریں گے کہ اللہ کا دین یہاں قائم ہو' وہ نظامِ عدل و قسط عملاً برپا ہو جائے جو محمد رسول اللہ ﷺ لے کر آئے ہیں۔ کفار اور شرک کی قوتیں دین حق کے لئے آسانی سے راستہ نہیں چھوڑیں گی۔ وہ لازماً reteliate کریں گی۔ تصادم ہو کر رہے گا' کشمکش ہو گی' لیکن اس سب کے علی الرغم' اس سب کے باوجود' رسولؐ کا فرضِ منصبی ہے کہ اس دین کو قائم کرے' اسے غالب و نافذ کرے جو اللہ نے اسے دے کر بھیجا ہے۔

مذہبی اور سیاسی شرک کا گٹھ جوڑ

یہاں ایک بات اور سمجھ لینی چاہئے اور اس کا تعلق ہمارے اس منتخب نصاب میں شرک کی بحث سے جڑ جاتا ہے۔ شرک کے بارے میں یہ خیال بڑا عامیانہ اور سطحی سا ہے کہ اس کا تعلق محض مخصوص مذہبی امور کے ساتھ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ دنیا میں

تاریخِ نسلِ انسانی کے دَوران ہر دَور میں اور ہر خطۂ زمین میں شرک کے دو نظام ہمیشہ قائم رہے ہیں' ایک مذہبی شرک اور دوسرا سیاسی شرک۔ انہی دو راستوں سے درحقیقت نوعِ انسانی کا استحصال ہوتا چلا آیا ہے۔ مذہبی شرک کی شکل تو یہ ہے کہ کوئی پنڈت' کوئی پروہت' کوئی پادری' کوئی پجاری یا کوئی پیر کسی آستانے کا مجاور بن کر یا کسی بُت کدے کا پروہت یا پجاری بن کر لوگوں کی گردنوں پر سوار ہوتا ہے اور مذہب کے نام پر عوام کے گاڑھے پسینے کی کمائی میں سے نذرانے اور چڑھاوے وصول کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ معاشی استحصال (Economic Exploitation) کی انتہائی مکروہ صورت ہے۔ بقولِ شاعر ؏ مانگنے والا گدا ہے صدقہ مانگے یا خراج!

دوسری جانب بادشاہت کے نظام کی صورت میں سیاسی شرک کا نظام تاریخ انسانی کے ہر دَور میں قائم رہا ہے۔ چنانچہ تاریخ کے اوراق پر نظر دوڑائیں تو نظر آتا ہے کہ کہیں یورپ میں Divine Rights of Kings (بادشاہوں کے خدائی اختیارات) کا راگ الاپا جا رہا ہے اور کہیں ہندوستان میں سورج بنسی اور چندر بنسی خاندانوں کی حکمرانی کا سلسلہ رواں ہے۔ یہ بادشاہ اور ملوک اپنے اقتدار و اختیار کے بل پر عوام سے خراج اور نذرانے وصول کرتے تھے۔ اس طرح انسانی تاریخ میں یہ دونوں مشرکانہ نظام ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ایک دوسرے سے تعاون کرتے نظر آتے ہیں۔ اِدھر مذہبی طبقات کی طرف سے بادشاہِ وقت کو "His Holiness" کا خطاب مل رہا ہے تو اُدھر سے انہیں "Defenders of the Faith" کے خطاب سے نوازا جا رہا ہے۔ گویا ؏ من ترا حاجی بگویم تو مرا ملّا بگو۔ یہ مذہبی شرک اور سیاسی شرک کے دو نظام جو ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے ایک دوسرے کے متوازی چلتے رہے اور جنہوں نے انسانوں کی گردنوں پر اپنی خدائی کا جوا ڈالے رکھا' ظاہر بات ہے وہ کبھی گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ یہ سارا تانا بانا ٹوٹ کر رہ جائے اور یہ سارے مفادات آنِ واحد میں ختم ہو جائیں۔ علامہ اقبال نے اسی پس منظر میں کہا تھا ؎

میں ناخوش و بیزار ہوں مرمر کی سلوں سے
میرے لئے مٹی کا حرم اور بنا دو!

کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیرانِ کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو!

اسلام ہے وہ نظام جو اِن درمیانی واسطوں کو ختم کرنے کے لئے آیا ہے' جو یہ پیغام لے کر آیا ہے کہ جہاں چاہو اور جب چاہو خدا سے ہم کلام ہو جاؤ :

﴿ وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ۝ ﴾
(البقرۃ : ۱۸۶)

"اور (اے نبیؐ) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو (انہیں بتا دیں کہ) میں قریب ہی ہوں' میں ہر پکارنے والے کی پکار (کو سنتا اور اس) کا جواب دیتا ہوں جب بھی وہ مجھے پکارتا ہے' تو چاہئے کہ وہ بھی میرا کہا مانیں اور مجھ پر یقین رکھیں' تاکہ رشد و کامیابی سے ہمکنار ہو سکیں"۔

وہ انسان پر سے انسان کی خدائی کا نام و نشان مٹانا چاہتا ہے۔ ع تمیزِ بندہ و آقا فسادِ آدمیّت ہے۔ یہاں کوئی کسی کا آقا نہیں اور کوئی انسان کسی دوسرے انسان کا بندہ نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے : ((کُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا)) "سب اللہ کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ"۔ تمہارے مابین قوم' نسل اور رنگت کے اعتبار سے کوئی اونچ نیچ نہیں ہے' کوئی تفریق نہیں ہے۔ یہ ہے وہ انقلابی پیغام جو محمد رسول اللہ ﷺ لے کر آئے۔ ان اصولوں پر مبنی نظام کا قیام ظاہر بات ہے کہ اُس مشرکانہ اور باطل نظام کے لئے بہت بڑا چیلنج ہے جہاں اس نظام سے لوگوں کے مفادات وابستہ ہوں۔ اس لئے فرمایا : ﴿ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴾ کہ مشرکین کی طرف سے تو مخالفت ہو کر رہے گی۔ وہ کبھی نہیں چاہیں گے کہ یہ نظامِ عدل و قسط دنیا میں قائم اور برپا ہو جائے' انسانوں کی گردنوں پر سے دو طرفہ غلامی کے جوئے اٹھا دیئے جائیں اور ان کی گردنوں میں سے وہ طوق اتار دیئے جائیں جن کے بوجھ تلے نوعِ انسانی ہمیشہ دبی اور سسکتی رہی ہے۔ سورۃ الاعراف میں حضور ﷺ کی یہ شان ان الفاظ میں بیان ہوئی : ﴿ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ ﴾

آنحضور ﷺ کے مشن کا لازمی تقاضا' جہاد فی سبیل اللہ!

بہرحال اس آخری ٹکڑے یعنی ﴿ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴾ کے ضمن میں اس مختصر سی وضاحت کے بعد اب یہ بات جان لیجئے کہ سورۃ الصف میں حضور ﷺ کے اس مقصد بعثت کی تعیین کے بعد اس کے لازمی تقاضے کی حیثیت سے اب مضمون آ رہا ہے جہاد فی سبیل اللہ کا' کہ اے اہل ایمان! اب اس مشن کی تکمیل کے لئے کمر ہمت کس لو! دین اللہ کا ہے' اس کو غالب کرنا فرضِ منصبی ہے محمد ؐ رسول اللہ ﷺ کا۔ تو اب اللہ اور اس کے رسول کے ماننے والوں اور ان پر ایمان کے دعوے داروں کا یہ فرضِ منصبی ہے کہ اس مقصد کے حصول اور اس مشن کی تکمیل کے لئے اپنے آپ کو لگا دیں اور کھپا دیں۔ اس مقصد کے لئے جِدّ و جُہد کریں' کوششیں کریں اور اس راہ میں اپنے مال لگائیں' اپنی جانیں کھپائیں' اپنی قوتیں صرف کریں اور اپنے اوقات لگائیں کہ یہ ان کے ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ اللہ کے دین کو برپا کرنا اور اسے قائم و نافذ کرنا کسی ایک فردِ بشر کا کام نہیں۔ یہ ایک نہایت عظیم کام اور بہت اونچا نصب العین ہے اور اس کے لئے ایک بڑی بھرپور اجتماعی جدوجہد کی ضرورت ہے۔ اس اجتماعی جدوجہد میں نبی ﷺ کے دست و بازو بننا' ان کا ساتھ دینا' ان کی نصرت کرنا اور جہاں اُن کا پسینہ گرا ہو وہاں اپنا خون بہا دینے کو اپنے لئے موجبِ فخر و سعادت جاننا ہر مسلمان کے ایمان کا تقاضا تھا۔ اس لئے کہ جب تک یہ کیفیت اللہ اور رسول ﷺ کے ماننے کے دعوے داروں میں پیدا نہ ہو اس مشن کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ سیرت النبیؐ اور سیرِ صحابہ کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ یہ انقلاب اسی طور سے برپا ہوا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنا تن من دھن سب کچھ اس راہ میں نچھاور کر دیا۔ غزوۂ خندق کا تصور کیجئے جبکہ بڑا ہی کٹھن وقت آن پڑا تھا۔ مدینے کی چھوٹی سی بستی کو بارہ ہزار کا لشکر چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھا اور اُس وقت جبکہ خندق کھودی جا رہی تھی اور پھاوڑے چل رہے تھے' یہ رجز اور یہ ترانہ صحابہؓ کی زبانوں پر تھا : "نَحْنُ الَّذِيْنَ بَايَعُوْا مُحَمَّدًا" کہ ہم ہیں وہ لوگ جنہوں نے بیعت کی ہے محمد ﷺ کے ہاتھ پر۔ "عَلَى الْجِهَادِ مَا بَقِيْنَا اَبَدًا" یہ بیعت ہے جہاد کی کہ جب تک ہم زندہ ہیں اور جب تک جسم و جان کا تعلق برقرار ہے ہم اس جہاد' اس کوشش اور اس

جِدّوجُہد میں لگے رہیں گے۔

ایک انتہائی نفع بخش تجارت!

چنانچہ سورۃ الصف کی اس مرکزی آیت کے بعد اگلی ہی آیت میں مسلمانوں سے یہ سوال کیا گیا : ﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ ﴾ کہ اے اہلِ ایمان! کیا میں تمہاری رہنمائی کروں اس کاروبار کی طرف' اس تجارت کی طرف جو تمہیں نجات دے ایک دردناک عذاب سے؟ ـــــ یہ انسانی ذہن کے بہت قریب آکر بات کرنے کا انداز ہے کہ تم دُنیوی کاروبار اور اس سے حاصل ہونے والے نفع کو خوب جانتے ہو' لیکن ایک کاروبار وہ بھی ہے کہ جس سے حاصل ہونے والا نفع عذابِ الیم سے چھٹکارے کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ اس کاروبار کے نتیجے میں تم دردناک عذاب سے بچ جاؤ گے' جہنم کی آگ سے تمہیں رستگاری حاصل ہو جائے گی۔ یہ سوال کرنے کے بعد جواب بھی اللہ تعالیٰ نے خود دیا۔ تعلیم و تفہیم کا یہ بڑا ہی حکیمانہ انداز ہے کہ سوال کیا جائے اور پھر اس کا جواب دیا جائے۔

فرمایا : ﴿ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ﴾ "تم ایمان پختہ رکھو اللہ پر اور اُسکے رسولؐ پر"۔ یہ مقام بھی ان مقامات میں سے ہے جہاں یہ بات وضاحت سے سامنے آتی ہے کہ قانونی ایمان کچھ اور شے ہے اور حقیقی ایمان کچھ اور! خطاب اُن سے ہو رہا ہے جو پہلے سے مسلمان ہیں۔ ﴿ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ﴾ کے الفاظ پر غور کیجئے! کہ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جو ایمان کا دعویٰ اور اس کا اعلان کر رہے ہو! اور اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ کا مرحلہ طے کر چکے ہو! تم اگر یہ چاہتے ہو کہ تمہیں فی الواقع عذابِ الیم سے چھٹکارا ملے تو اس کا راستہ ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ اللہ اور اس کے رسولؐ پر یقین محکم رکھو : ﴿ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ﴾ اور ﴿ وَتُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ﴾ "جہاد کرو اللہ کی راہ میں! کھپاؤ اُس میں اپنی جانیں بھی اور اپنے مال بھی"۔ دیکھئے "فی سبیل اللہ" کا تعین پچھلی آیت میں کیا جا چکا ہے کہ اللہ کے دین کو غالب کرنے اور اس نظامِ عدل و قسط کو قائم کرنے کے لئے جو محمد رسول اللہ ﷺ دے کر مبعوث کئے گئے ہیں' تمہیں اپنی جان

اور اپنے مال کو لگانا اور کھپانا ہے۔ دین کو قائم و غالب کرنا اگرچہ اصلاً فرضِ منصبی ہے نبی اکرم ﷺ کا' لیکن اس کے غلبے کی جِدّوجُہد میں تمہیں اپنی جانوں کا ہدیہ پیش کرنا ہے اور اپنے خون سے اس انقلاب کی آبیاری کرنی ہے۔ تمہیں اس کی بنیادوں میں اپنی ہڈیوں اور خون کا گارا بھرنا ہوگا! یہ کام اسی طور سے ہوگا اور اسی میں درحقیقت تمہارے ایمان کا امتحان ہے۔ یہ دلیل ہوگی اس بات کی کہ واقعتاً ایمان تمہارے دلوں میں اتر گیا ہے۔

اس آیت میں گویا اسی مضمون کا اعادہ ہو گیا جو ہم سورۃ الحجرات میں پڑھ آئے ہیں کہ : ﴿ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ ۝ ﴾ کہ اپنے دعویٰ ایمان میں صرف وہی لوگ سچے ہیں جو ان دو شرائط کو پورا کریں : (i) یقینِ قلبی کی یہ صورت کہ اللہ اور اس کے رسول ؐ پر ان کا ایمان یقین کی شکل اختیار کر کے دل کے اندر جاگزیں ہو چکا ہو' اور (ii) اس یقین کا عملی مظہر ہو گا جہاد فی سبیل اللہ' اللہ کے دین کے غلبے اور اس کے کلمے کی سربلندی کے لئے جان اور مال کا کھپانا۔ یہ ہے گویا کہ سورۃ الصف کا مرکزی مضمون جو آیت نمبر۹ اور نمبر۱۰ کے حوالے سے معین ہو گیا۔

اب ہمیں اس سورۂ مبارکہ کا ابتداء سے مطالعہ کرتے ہوئے اس کے تین حصوں اور ان میں شامل آیات کے باہمی ربط اور بالخصوص اس سورۃ کے مرکزی مضمون کے ساتھ ان کے ربط و تعلق کو سمجھنا ہے۔ مرکزی مضمون کی تعیین کے بعد بقیہ آیات کو سمجھنا ان شاء اللہ بہت آسان ہو گا۔

قول و فعل کے تضاد پر اللہ کا غضب

اس سورۂ مبارکہ کا پہلا حصہ چار آیات پر مشتمل ہے :

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

﴿ سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴾

"آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ کی تسبیح میں مشغول ہے' اور وہ زبردست ہے کمال حکمت والا ہے"۔

یہ ایک بڑا ہی پُرشکوہ آغازِ کلام ہے۔ جانتے ہو کون تم سے مخاطب ہے؟ وہ جو خالقِ ارض و

سماء ہے، جس کی تسبیح و تحمید میں اس کائنات کا ذرہ ذرہ لگا ہوا ہے۔ وہ العزیز ہے، زبردست ہے، کمال حکمت والا ہے۔

اگلی آیت میں زجر اور ڈانٹ کا انداز ہے، مسلمانوں کو جھنجھوڑا جا رہا ہے :

﴿ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ ﴾

"اے اہلِ ایمان! کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں!"

تمہارے قول اور فعل کا یہ تضاد اللہ کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ ہے۔ اگلے الفاظ بہت سخت ہیں :

﴿ کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ ﴾

"اللہ کے نزدیک یہ بات انتہائی بیزار کن ہے کہ تم کہو وہ کچھ جو کرتے نہیں ہو"۔

"مقت" عربی زبان میں غیظ اور غصے سے بھی آگے کی کیفیت کے لئے آتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی وقت آپ کی توقعات پر پورا نہ اُترے تو آپ کو غصہ آتا ہے، لیکن ایک مرحلہ وہ آتا ہے کہ توقع بالکل ختم ہو جاتی ہے اور ایک بیزاری کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ "مقت" کا لفظ درحقیقت اسی کیفیت کا غماز ہے۔[1] یہ گویا انتہائی ملامت کا انداز ہے کہ تمہاری یہ لن ترانیاں، تمہارے محبت خداوندی اور عشق رسولؐ کے یہ دعوے تمہارے عمل سے مطابقت نہیں رکھتے۔ دعوے اتنے بلند آہنگ ہوں اور عمل اس معیار پر پورا نہ اتر رہا ہو، اللہ کے ساتھ وفاداریاں اور رسولؐ کی فرماں برداری نہ ہو رہی ہو، اللہ اور رسولؐ اور ان کے دین کے لئے حمیت اور غیرت موجود نہ ہو، دین حق کو پامال دیکھو اور اپنے دھندوں میں لگے رہو، اسے مغلوب پاؤ اور پھر بھی دنیا کمانے میں مصروف و مشغول رہو، یہ قول و فعل کا وہ تضاد ہے جو اللہ کے نزدیک انتہائی قابل مذمت اور بیزار کن ہے۔ ﴿ کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ ﴾ ایمان لائے ہو تو اس کے تقاضوں کو پورا کرنا ہو گا، خدا کو مانا ہے تو اس کے دین کے لئے جان اور مال کھپانے

---

[1] عرب میں ایک مکروہ رواج یہ تھا کہ باپ کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے اپنی سوتیلی ماؤں سے نکاح کر لیتے تھے۔ تاہم ایسے نکاح کو اس معاشرے میں انتہائی ناپسندیدہ خیال کیا جاتا تھا اور اس کے لئے "نکاحِ مقت" کی اصطلاح مستعمل تھی۔

ہوں گے، محمدؐ رسول اللہ ﷺ سے محبت ہے تو آپ کے مشن کی تکمیل کے لئے اپنی جانیں اور اپنے مال صرف کرنے ہوں گے۔ یا چناں کن یا چنیں! یا اس دعوے سے دستبردار ہو جاؤ، یا دعویٰ کرتے ہو تو اس کو عملاً پورا کرو! اقبال نے غالباً اسی لئے کہا تھا ؎

چو می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلاتِ لا اِلٰہ را

اور ؎

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

محبت مجھے اُن جوانوں سے ہے . . .

چوتھی آیت میں یہ مضمون اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ گیا۔ فرمایا :

﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝ ﴾

"اللہ کو تو محبت اُن سے ہے[1] جو جنگ کرتے ہیں اُس کی راہ میں صفیں باندھ کر، ایسے گویا کہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں"۔

یہاں جہاد فی سبیل اللہ کے بلند ترین مقام یعنی قتال فی سبیل اللہ کا ذکر ہے۔ جہاد ایک وسیع اصطلاح ہے۔ دین کے لئے جِدّوجُہد، محنت، کوشش اور دعوت و تبلیغ، سب جہاد ہی کی صورتیں ہیں۔ اسی طرح دین کی نشر و اشاعت کے لئے محنت کرنا، لوگوں سے گفتگو کر کے انہیں ہم خیال بنانے کی ہر ممکن صورت کا اختیار کرنا، پھر جو لوگ اس دعوت کو قبول کریں انہیں منظم کرنا اور ان کی مناسب تربیت کا اہتمام کرنا، یہ تمام کام جہاد فی سبیل اللہ میں شامل ہیں، لیکن اس تصادم اور کشمکش کا آخری مرحلہ اور اس کا نقطۂ عروج ہے قتال فی سبیل اللہ! ـــــ یہاں اس کا ذکر کیا گیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ

---

[1] غالباً علامہ اقبال نے اپنے اس شعر کا اسلوبِ بیان اسی آیت مبارکہ سے اخذ کیا تھا کہ ؎
محبت مجھے ان جوانوں سے ہے ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند!

راستہ جاکدھر رہا ہے! جہاد فی سبیل اللہ کے جس راستے پر تم نے قدم دھرے ہیں اس کی آخری منزل کونسی ہے! چنانچہ فرمایا : ﴿ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝ ﴾ قدم اس طرح سے جمے ہوئے ہوں اور صف بندی ایسی مضبوط ہو کہ جیسے کوئی سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہو کہ نہ اسے اپنی جگہ سے ہٹایا جاسکے' نہ اس میں کہیں کوئی رخنہ پیدا کیا جاسکے۔

اسلام میں "خیر اعلیٰ" کا تصور

اس آیت کا حوالہ ہمارے منتخب نصاب کے بالکل آغاز میں آیۂ بر کے ضمن میں آیا تھا کہ ہر نظامِ فکر کے نظریۂ اخلاق میں کسی نہ کسی خیر اعلیٰ (Summum Bonum) یا بالفاظ دیگر کسی Highest Virtue کا تصور موجود ہوتا ہے کہ سب سے اعلیٰ قدر کونسی ہے' نیکی کی بلند ترین منزل کون سی ہے۔ نوٹ کیجئے کہ آیۂ بر کے اختتام پر جو مضمون آیا تھا اسی کا اعادہ سورۃ الصف کی اس آیت میں ہوا ہے۔ وہاں نیکی کی بحث کا اختتام ان الفاظ پر ہوا تھا : ﴿ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ﴾ اور صبر کرنے والے' ڈٹ جانے والے' برداشت اور تحمل کا مظاہرہ کرنے والے فقر و فاقہ میں' تکلیف و اذیت میں اور میدان جنگ میں ـــــ گویا اسلام کے نظامِ فکر اور اس کے نظریۂ اخلاق میں بلند ترین نیکی یا خیر اعلیٰ (Summum Bonum) کا جو تصور ہے وہ اللہ کی راہ میں اپنی جان دے دینا ہے۔

بہرحال یہ پہلی چار آیات تمہید بن رہی ہیں اس مطالبۂ جہاد و قتال کی جو آگے آرہا ہے۔ اگلی آیات میں بعثتِ نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے مقصد اور مشن کی تکمیل کے لئے مسلمانوں کو عمل کی دعوت دی جاتی ہے' لہٰذا آغاز میں تمہید کے طور پر یہ انداز اختیار کیا گیا ہے کہ جان لو کہ صرف زبانی اقرارِ ایمان تمہیں اللہ کے ہاں اُن وعدوں کا مستحق نہیں بنائے گا جو اُس نے اپنے مؤمن بندوں سے کئے ہیں' بلکہ قولی اقرار کے ساتھ ساتھ عمل کی گواہی بھی ضروری ہے' اور اس عمل کی چوٹی ہے قتال فی سبیل اللہ' جو بندۂ مؤمن کی عملی جدوجہد کا نقطۂ عروج ہے۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس شخص کی موت واقع ہوئی اس حال میں کہ اس کے دل میں شہادت کی تمنا نہ ہو' اس کی موت ایک نوع کے نفاق پر واقع ہوئی۔ یہ درحقیقت ایمان کا منطقی اور لازمی نتیجہ ہے۔ عین ممکن ہے کہ انسان کی ساری زندگی اللہ کی راہ میں مجاہدے اور جدوجہد میں گزرے' لیکن قتال کا مرحلہ نہ آئے۔ تاہم ایک بندۂ مؤمن کے سینے کو اس آرزو سے آباد رہنا چاہئے کہ کاش کہ وہ وقت آئے کہ اپنی جان کا ہدیہ اللہ کے حضور میں پیش کر کے وہ سرخرو ہو جائے' سبکدوش ہو جائے۔ سورۃ الاحزاب میں اہل ایمان کی شان میں یہ الفاظ آئے ہیں : ﴿ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ﴾ کہ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بہت سے وہ ہیں جو اپنی نذر پیش کر چکے' راہِ حق میں گردنیں کٹوا کر سبکدوش ہو چکے اور باقی منتظر ہیں کہ کب ہماری باری آئے اور ہم بھی اس امتحان میں سرخرو ہو جائیں!

یہود کا ذکر بطور نشانِ عبرت

اگلی چار آیات میں یہود کی تاریخ کے حوالے سے مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا ہے ـــــ اور یہ ان "مُسَبِّحَات" کے مشترک امور میں سے ہے کہ ان میں جابجا بنی اسرائیل کو بطور نشانِ عبرت پیش کیا گیا ہے ـــــ کہ اے مسلمانو! قول و عمل کا تضاد اور ایمان کے عملی تقاضوں کی ادائیگی سے پہلوتہی' یہی وہ اصل جرم تھا کہ جس کی پاداش میں یہود اس مقام اور منصب سے معزول کر دیئے گئے جس پر آج تم فائز کئے گئے ہو۔ چار آیات میں یہود کی تاریخ کے تین ادوار کا ذکر ہے۔ فرمایا :

﴿ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ؕ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝ ﴾

"اور یاد کرو جب کہا تھا موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہ اے میری قوم کے لوگو! کیوں مجھے ایذا پہنچاتے ہو درانحالیکہ تم خوب جان چکے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں تمہاری طرف۔ پھر جب وہ ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ نے ان کے دلوں کو بھی کج کر دیا' اور اللہ ایسے فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

مطابق اغلباً ۲۰ اپریل ۵۷۱ء بنتی ہے۔ یہاں سے آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا ابتدائی دَور شروع ہوتا ہے جو دراصل ﴿ اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی ○ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰی ○ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی ○ ﴾ کی مکمل تفسیر ہے۔

آپ ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے تو اس حال میں کہ والد ماجد عبداللہ کا انتقال آپؐ کی ولادت باسعادت سے قبل ہی ہو چکا تھا۔ چھ سال تک والدہ ماجدہ کے سایۂ عاطفت میں پرورش پانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کا سایہ بھی آپؐ سے اٹھالیا۔ نتیجتاً آپ ﷺ اپنے دادا عبدالمطلب کے زیر کفالت اور زیر تربیت آئے' لیکن دو ہی سال بعد یتیمی کا ایک اور داغ آپؐ کو دیکھنا پڑا اور انتہائی محبت اور شفقت کرنے والے دادا کی شفقت و محبت کا سایہ بھی آپؐ سے اٹھالیا گیا۔ اس کے بعد کچھ عرصہ تک آپؐ اپنے بڑے تایا زبیر بن عبدالمطلب کے زیر کفالت رہے' اور پھر اپنے دوسرے تایا ابوطالب کے زیر سرپرستی آپؐ نے اس حیاتِ دُنیوی کی ابتدائی منزلیں طے کیں۔ آپؐ نے ابتدائی دَور میں شبانی (گلہ بانی) کا وہ فریضہ بھی سرانجام دیا ہے جو غالباً تمام انبیاء و رُسل کا ایک مشترک وصف رہا ہے۔ جس کے بارے میں علامہ اقبال نے نہایت خوبصورتی سے کہا ہے ؎

اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

آپ ﷺ نے گلہ بانی کی۔ اور یہ بات جان لینی چاہئے کہ عرب کے لق و دق صحرا میں' ایک ایسی فضا میں جہاں دُور دُور تک کوئی متنفس نظر نہ آتا ہو' اوپر آسمان کا سایہ' نیچے پھیلی ہوئی زمین' اِدھر اُدھر پہاڑ ـــــ یہ درحقیقت فطرت سے قریب ترین ہونے کی ایک کیفیت ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنا ابتدائی دَور اِس کیفیت میں بسر کیا ہے' گویا کہ کتابِ فطرت کا مطالعہ دل کھول کر کیا۔ جس کی طرف ایک اشارہ ہے قرآن مجید کے آخری پارے کی سورۂ مبارکہ میں :

﴿ اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ كَیْفَ خُلِقَتْ ○ وَاِلَی السَّمَآءِ كَیْفَ رُفِعَتْ ○ وَاِلَی الْجِبَالِ كَیْفَ نُصِبَتْ ○ وَاِلَی الْاَرْضِ كَیْفَ

سُطِحَتْ ○ ﴾ (الغاشیۃ : ۱۷-۲۰)

"کیا یہ دیکھتے نہیں اونٹ کی تخلیق کو کہ اس میں کیسی کیسی نشانیاں مضمر ہیں اللہ کی حکمت اور قدرت کی! انہیں اندازہ نہیں کہ آسمان کی رفعت کیا اشارے کر رہی ہے! کیا پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے جما دیئے گئے ہیں! کیا یہ غور نہیں کرتے کہ زمین کی وسعت کس بات کی گواہی دے رہی ہے!"

یہ ہے وہ کتابِ فطرت جس کے مطالعے سے انسان اپنے فاطر کے قریب ترین آتا ہے ـــــ اور اس کے بھرپور مواقع میسر آئے محمد رسول اللہ ﷺ کو بالکل ابتدائی زندگی میں۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے کاروبار شروع فرمایا۔ یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ نبی اکرم ﷺ نے کسی خانقاہ میں تربیت حاصل نہیں کی' کسی گوشے میں بیٹھ کر کوئی نفسیاتی ریاضتیں کر کے تزکیۂ نفس نہیں کیا۔ آپ زندگی کے عین منجدھار میں رہے' آپ نے بھرپور زندگی بسر کی۔ آپ نے اپنے وقت کی اعلیٰ ترین سطح پر کاروبار کیا اور اس کاروبار میں لوگوں نے آپ کے اخلاق اور آپ کی سیرت و کردار کا لوہا تسلیم کیا۔ آپ کے حسن معاملہ اور دیانت و امانت کی وجہ سے آپ کو "الصّادق" اور "الامین" کا خطاب آپ کے معاشرے نے دیا۔ تو یہ خطابات ایسے ہی نہیں مل گئے' بلکہ اصل بات یہ ہے کہ آپ کے کردار کا لوہا لوگوں نے اگر واقعتاً مانا ہے تو اپنے تجربات کی بنیاد پر مانا ہے۔ سنن ابی داؤد میں ایک صحابی ایک واقعہ بیان کرتے ہیں' وہ کہتے ہیں کہ آغازِ وحی سے قبل کسی کاروباری معاملے میں میری اور محمد ﷺ کی کچھ گفتگو ہو رہی تھی' اچانک مجھے کوئی کام یاد آیا اور میں حضور ﷺ سے اجازت لے کر چلا گیا کہ ذرا آپ انتظار فرمائیں' میں ابھی آیا۔ حضور ﷺ نے وعدہ فرما لیا کہ اچھا میں یہیں تمہارا انتظار کروں گا۔ میں کہیں گیا اور جا کر کچھ ایسا مصروفیات میں گم ہوا کہ مجھے اپنا وعدہ یاد ہی نہ رہا۔ تین دن بعد اچانک یہ خیال آیا کہ میں نے تو محمد ﷺ سے وعدہ کیا تھا۔ چنانچہ میں گھبرایا ہوا اُس جگہ پر پہنچا تو میں نے یہ دیکھا کہ محمد ﷺ وہیں مقیم تھے۔ آپ نے مجھے کوئی ملامت نہ کی' فرمایا تو صرف اس قدر کہ بہرحال میں اپنے وعدے کی بنیاد پر پابند ہو گیا تھا کہ یہیں تمہارا انتظار کرتا ـــــ یہ ایک ایسا واقعہ

ہے کہ اس سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ کس قسم کا تجربہ ہوا تھا اہلِ مکّہ کو محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی سیرتِ مطہرہ کا۔ یہ آپؐ کا اخلاق و کردار تھا' جس کی وجہ سے آپؐ اُن کی آنکھوں کا تارا بنے، اور آپؐ کو انہوں نے "الصادق" اور "الامین" کا خطاب دیا۔

آپؐ کی جوانی کے دَور کے چند اور واقعات میں سے ایک جنگ فجار میں آپؐ کی شمولیت ہے۔ آپؐ کے تایا زبیر بن عبدالمطلب بنی ہاشم کے علم بردار تھے اور آپؐ بھی ان کے پہلو بہ پہلو اس جنگ میں شریک ہوئے' اس لئے کہ قریش اس جنگ میں حق پر تھے۔ اگرچہ اس کی صراحت ملتی ہے کہ آنحضور ﷺ نے کسی کا خون نہیں بہایا' اس لئے کہ صرف قومی یا خاندانی معاملات کے لئے کسی انسانی جان کا لینا' یہ محمد رسول اللہ ﷺ کے شایانِ شان نہ تھا۔ اس جنگ کے بعد قریش کے کچھ نوجوانوں نے ایک عہد کیا جسے "حلف الفضول" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ انہوں نے باہمی معاہدہ کیا کہ وہ ظالم کی مخالفت کریں گے' مظلوم کی حمایت کریں گے' حق اور صداقت کے راستے کی تلقین کریں گے۔ آنحضور ﷺ بھی اس حلف میں شریک ہوئے۔ اور آپ ﷺ بعد میں فرمایا کرتے تھے کہ آج بھی اگر اس قسم کے کسی معاہدے کی طرف مجھے دعوت دی جائے تو میں اس پر لبیک کہوں گا۔

خانہ کعبہ کی تعمیر کے موقع پر بھی آپ ﷺ کے تدبر اور فراست کا ایک بہت ہی نادر نمونہ سامنے آیا۔ الغرض آپؐ کی زندگی کا یہ جو دَور ہے اس میں ہمیں وہ مظہر نظر آتے ہیں جن کی طرف اشارہ ملتا ہے قرآن مجید کی سورۂ نون میں' جس کا دوسرا نام سورۃ القلم بھی ہے :

﴿ وَاِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ ۝ ﴾

"اور (اے محمد ﷺ!) بلاشبہ آپؐ اخلاقِ حسنہ کی بلندیوں پر فائز ہیں۔"

کاروبار ہی کے ضمن میں آنحضور ﷺ کا تعلق یا آپؐ کا معاملہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوا۔ ان کا معاملہ بھی یہ ہے کہ ایک طرف یہ عرب کی متمول ترین خاتون تھیں۔ چنانچہ روایات میں اس کی صراحت ملتی ہے کہ جب قریش کے قافلے سامانِ تجارت لے کر

جاتے تھے تو تنہا ان کا سامانِ تجارت باقی تمام لوگوں کے مجموعی سامان سے زیادہ ہوتا تھا۔ پھر دوسری طرف ان کی عفت و عصمت اور پاک دامنی کا عالم یہ تھا کہ عرب کے اس معاشرے میں ان کو "الطاھرہ" کا خطاب دیا گیا ـــــ یہ گویا کہ بالکل ایک فطری اور قرین عقل اور قرین قیاس بات ہے کہ یہ قِرَانُ السَّعْدَیْن ہوتا اور "الصادق" اور "الامین" کا نکاح "الطاھرہ" سے ہوتا ـــــ مشیت الٰہی میں یہی طے تھا۔ بہرحال حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے نکاح کی صورت میں وہ بات سامنے آتی ہے جو سورۃ الضحیٰ میں ان الفاظ میں وارد ہوئی :

﴿ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ۝ ﴾

"(اے محمد ﷺ!) اور پایا آپ کو تنگ دست' پس (آپ کو) غنی کر دیا۔"

جہاں تک قلبِ محمدی ؐ کا تعلق ہے وہ تو ہمیشہ غنی تھا' لیکن ظاہری اور دُنیوی اعتبار سے جسے ہم تنگ دستی کہتے ہیں اُس کی اگر کوئی کیفیت نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں اب تک رہی بھی تھی تو اب جبکہ مکّہ کی متمول ترین خاتون ؓ آپ ؐ کے حبالۂ عقد میں تھیں' جو انتہائی جاں نثار اور اپنا سب کچھ نچھاور کر دینے والی بیوی تھیں' اس کے بعد اِس دُنیوی احتیاج یا کمزوری کا بھی کوئی معاملہ باقی نہ رہا۔

حضور ﷺ کی زندگی کا یہ دَور ایک بھرپور انسانی زندگی کا نقشہ پیش کرتا ہے۔ ایک محبت کرنے والی جاں نثار اور وفادار بیوی رفیقۂ حیات ہیں ـــــ اور اللہ تعالیٰ نے آپ ؐ کو ان زوجہ محترمہ سے اولاد بھی عطا فرمائی۔ ایک انتہائی باعزت اور بافراغت زندگی آپ ؐ بسر فرما رہے تھے۔ لیکن اب آپ ؐ کے اندر داعیہ اُبھرا اور توجہ کائنات' خالق کائنات اور عالم بالا کی طرف مبذول و منعطف ہوئی۔ اب غور و فکر کا مادہ کسی اور رُخ پر پروان چڑھنا شروع ہوا۔ چنانچہ روایت ہمیں وہ ملتی ہے جس کی راویہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں اور بخاری شریف میں یہ روایت پہلے ہی باب میں موجود ہے کہ جب آپ ﷺ کی عمر شریف ۴۰ برس کے لگ بھگ ہوئی تو آپ ؐ کو خلوت گزینی محبوب ہو گئی اور آپ ؐ غارِ حرا میں خلوت گزینی اختیار فرماتے تھے۔ (حُبِّبَ اِلَیْهِ الْخَلَاءُ فَكَانَ يَخْلُوْ

بِغَارِ حِرَاء)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ غارِ حرا میں آپؐ عبادت کرتے تھے۔ اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ عبادت کس قسم کی تھی! آپؐ کسی سابقہ اُمّت میں نہ تھے' کسی نبی کے پیرو نہ تھے' کوئی عبادت کا طریقہ ایسا نہیں تھا کہ جو آپؐ کو کسی اور نبی کی پیروی یا کسی اور امت میں ہونے کی وجہ سے معلوم ہوتا' اور حضرت جبرئیل سے ابھی ملاقات نہ ہوئی تھی۔ تو یہ عبادت کیسی تھی! اس کا جواب شارحین حدیث نے یہ دیا ہے کہ : کان صفةُ تعبُّدِہٖ فی غار حراء التّفکّرُ و الاعتبار یعنی غار حرا میں آپؐ کی عبادت غور و فکر اور عبرت پذیری پر مشتمل تھی۔ سوچ بچار' کتابِ فطرت کا مطالعہ' خود اپنی فطرت کی گہرائیوں میں غواصی اور نگاہِ عبرت سے ماحول کا جائزہ و تجزیہ' یہ تھی آپؐ کی غارِ حرا میں عبادت۔ بقول علامہ اقبال مرحوم ؎

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی!

یہ غور و فکر کہ نوعِ انسانی کس حالت میں مبتلا ہے' خاص طور پر خود آپؐ کی قوم اخلاق کے اعتبار سے کتنی پستی میں مبتلا ہو چکی ہے' کس طرح کے شرک کا دَور دَورہ ہے' معبودِ حقیقی سے لوگ کس طرح اپنا رُخ موڑ چکے ہیں' یہ سارا غور و فکر نوعِ انسانی کی ضلالت اور گمراہی پر وہ بھاری رنج و غم تھا جس کے بارے میں قرآن مجید میں بار بار گواہی ملتی ہے :

﴿ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ اَنْ لَّا يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ○ ﴾ (الشعراء : ۳)

"کیا آپؐ اپنے آپ کو اس رنج اور صدمے کی وجہ سے ہلاک کر لیں گے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لا رہے"۔

یہ وہ کیفیات تھیں جن کے ساتھ محمد رسول اللہ ﷺ غارِ حرا میں اعتکاف فرما رہے تھے۔ اسی عالم میں پردے اٹھتے ہیں' اور صرف پردے ہی نہیں اٹھتے بلکہ آپؐ پوری نوعِ انسانی کی ہدایت پر مامور کئے جاتے ہیں اور آپؐ کا دورِ دعوت تا قیامِ قیامت مقرر کیا جاتا ہے

افلاک سے آتا ہے نالوں کا جواب آخر
اٹھتے ہیں حجاب آخر کرتے ہیں خطاب آخر!

یہ ہے تفسیر سورۃ الضحیٰ کے ان الفاظ کی :

﴿ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ۝ ﴾

"اور (اللہ نے) پایا آپؐ کو (حقیقت کی تلاش میں) سرگرداں تو آپؐ پر راہِ ہدایت منکشف کر دی"۔

گویا غارِ حرا کی خلوتوں میں آپ ﷺ حقیقت کے دروازوں پر دستک دے رہے تھے۔ پس دروازے کھول دیئے گئے' پردے اٹھا دیئے گئے۔ حضرت جبرائیل امین سے ملاقات ہوئی' وہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلی ملاقات جس میں نزولِ وحی کا آغاز ہوا' بین النوم والیقظۃ یعنی بیداری اور نیند کے بین بین کی سی کیفیت' یعنی نیم بیداری کے عالم میں ہوئی۔ بعض روایات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جبرئیلؑ کے پاس کوئی لکھی ہوئی تختی تھی جس پر یہ آیات مرقوم تھیں :

﴿ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝ ﴾

(العلق : ۱-۵)

تین مرتبہ حضور ﷺ نے فرمایا :

((مَآ اَنَا بِقَارِیءٍ)) "میں پڑھ نہیں سکتا"۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو اپنے سینے سے لگا کر بھینچا اور اس کے بعد اس وحی کا آپ ﷺ کے قلب مبارک میں نقش قائم ہو گیا۔ یہاں سے گویا محمد رسول اللہ ﷺ کا آفتابِ رسالت طلوع ہو گیا۔ اس کے بعد نزول وحی میں کچھ وقفہ رہا ہے' پھر جو آیات نازل ہوئیں وہ سورۃ المدثر کی یہ ابتدائی آیات تھیں :

﴿ یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ ﴾ (المدثر : ۱-۳)

یعنی اے لحاف اوڑھ کر لیٹنے والے! کھڑے ہو جایئے' کمر کس لیجئے! فریضۂ رسالت کی ادائیگی میں ہمہ تن اور ہمہ وقت مصروف ہو جایئے' اور اپنے رب کی کبریائی کا اعلان

(باقی صفحہ ۳۲ پر ملاحظہ کیجئے)

بشارتِ محمّدیہؐ اور انجیل برناس

مرتب : حافظ محبوب احمد خان

انجیل کو عام طور پر یونانی زبان کا لفظ قرار دیا گیا ہے جس کی اصل شکل Eu-angellion یا Evangelium ہے۔ یونانی زبان میں اس لفظ کے لغوی معنی ہیں خوش خبری' بشارت۔ آکسفورڈ ڈکشنری میں یہ بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ لفظ انجیل یونانی لفظ anggelos سے مشتق ہے' جس کے معنی ہیں پیغام بر۔

بعض علمائے لغت نے انجیل کو عربی لفظ قرار دے کر اس کا مادہ "ن ج ل" بتایا ہے۔ نجل الشیء (ینجله' نجلاً) کے معنی ہیں اسے ظاہر اور روشن کیا۔ اور نجل کے معنی اصل' بنیاد اور استخراج کے بھی ہیں۔ عربی میں اِنجیل کی ایک قراءت "اَنجیل" بھی ہے۔ اَنجل کے معنی ہیں وسیع و عریض۔ اسی بنا پر الاصمعی سے روایت کی گئی ہے کہ انجیل' افعیل کے وزن پر ہے اور اَنجیل اس کتاب کو کہتے ہیں جس میں بہت سی سطریں ہوں۔ یہ بھی اس لفظ کے عجمی ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اَفعیل عربی زبان کے اوزان میں شامل نہیں۔ حدیث میں بھی یہ لفظ آیا ہے۔ آنحضرت ﷺ نے صحابہ کے متعلق فرمایا : صُدُوْرُهُمْ اَنَاجِیْلُهُمْ یعنی وہ قرآن مجید مصحف کی مدد کے بغیر زبانی پڑھ لیتے تھے جبکہ اہل کتاب اپنی کتاب صحیفوں کی مدد سے پڑھتے ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے حواری نسلاً اور مذہباً اسرائیلی تھے اور ان کی مادری زبان عبرانی تھی یا مغربی آرامی۔ پھر ابتدائی عیسائیوں نے اپنے مذہبی صحیفے نیز مقتدائے دین کے حالات کے لئے جو کتاب لکھی اس کا نام عبرانی کے بجائے یونانی میں کیوں رکھا؟ اس کا صحیح جواب اس وقت مل سکتا ہے جب ہم یہ پتا چلالیں کہ اناجیل اصلاً کس زبان میں تھیں؟ اگر عبرانی میں تھیں اور بعد میں ان کا ترجمہ یونانی زبان میں کیا گیا تو ظاہر ہے کہ

کتاب، کا نام انجیل نہیں ہو گا جو یونانی لفظ ہے' لیکن جس طرح ہمارے پاس اصل عبرانی اناجیل موجود نہیں' اسی طرح اس کا اصل نام بھی ناپید ہو چکا ہے۔

انجیل کو بشارت اس لئے کہا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی آخر الزمان رسول اللہ ﷺ (جن کا ایک اسم مبارک احمد بھی تھا) کی بشارت دینے آئے تھے :

﴿ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّأْتِيْ مِنْ بَعْدِي اسْمُهٗ اَحْمَدُ ﴾ (الصف : ٦)

پھر یہ کہ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ظہور قدیم نوشتوں کی بشارتوں کے مطابق ہوا تھا۔

مسیحیت کے ابتدائی زمانے میں بہت سی اناجیل موجود تھیں' مگر اتھانسیوس (Athanasius) کی کوششوں سے کلیسا کے مذہبی پیشواؤں نے مجلس نیقیہ ۳۲۵ء کے بعد ان میں سے چار اناجیل لے کر باقی ترک کر دیں' ان متروک اناجیل کو انگریزی میں Apocryphal یعنی غیر مستند' غیر موثق اور متروک حصے کہتے ہیں۔ مسیحی ادب میں مندرجہ ذیل اناجیل کا ذکر ملتا ہے :

انجیل طفولیت' انجیل پطرس' انجیل اول یوحنا' انجیل دوم یوحنا' انجیل اندریاس' انجیل فیلبوس' انجیل بارتھالوسی' انجیل اول طفولیت توما' انجیل دوم طفولیت توما' انجیل یعقوب' انجیل نیقودیس' انجیل متھیاس' انجیل مرقس' انجیل برنباس' انجیل لوقا' انجیل متی' انجیل تھیڈیس' انجیل پولوس' انجیل بسی لیڈس' انجیل سرتھس' انجیل ابیانی' انجیل یہودیہ' انجیل مارکیون' انجیل ناصرین' انجیل ثائیان' انجیل ولن ٹینس' انجیل سی تھیس' انجیل اپلس' انجیل جوڈرس وغیرہ وغیرہ۔

ان کے علاوہ ایک بڑی تعداد ایسے مکتوبات کی ہے جو حواریوں کی طرف منسوب ہیں اور ہر فرقہ اپنے خیالات کی تائید میں انہیں پیش کرتا تھا۔ ان خطوط کی تعداد ایک سو تیرہ تک شمار ہوئی ہے۔

اہلِ اسلام کے نزدیک انجیل اس وحی الٰہی کا نام ہے جو خالق کائنات کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی : ﴿ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ ﴾ یعنی ہم نے عیسیٰ کو انجیل دی' اور عیسائی ہر اُس کتاب کو انجیل کہتے ہیں جس میں مسیح علیہ السلام کے سوانح عمری مذکور ہوں۔ چنانچہ لوقا اپنی انجیل کے دیباچہ میں لکھتا ہے :

"چونکہ بہتوں نے اس پر کمر باندھی ہے کہ جو باتیں ہمارے درمیان واقع ہوئیں ان کو ترتیب وار بیان کریں' جیسا کہ انہوں نے جو شروع سے خود دیکھنے والے اور کلام کے خادم تھے ان کو ہم تک پہنچایا۔ اس لئے اے معزز تیفلس میں نے بھی مناسب جانا کہ سب باتوں کا سلسلہ شروع سے ٹھیک ٹھیک دریافت کر کے ان کو تیرے لئے ترتیب سے لکھوں"۔

مقدس لوقا کے اس بیان سے معلوم ہوا کہ بہت سے لوگوں نے انجیلیں لکھی تھیں۔ جس بزرگ کی انجیل اس وقت ہمارے زیر مطالعہ ہے یہ مسیحیت کے ابتدائی دور کا سب سے بڑا انجیل کا مبلغ تھا۔ رسولوں کے اعمال جو برنباس کے مخالف لوقا نے لکھی تھی اس میں بھی جس قدر ان کی عظمت بیان کی ہے وہ کسی کی نہیں کی۔

برنباس کی شخصیت

برنباس کا اصلی نام یوسف تھا۔ مسیح علیہ السلام کے حواریوں نے اس کا لقب برنباس رکھا۔ برنباس کے معنی ہیں نصیحت کا فرزند (اعمال ۴ : ۳۶)۔ اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ رسولوں کے ہاں برنباس کی کتنی قدر و منزلت تھی۔ سب رسولوں کا متفقہ طور پر اس کو یہ اعزازی خطاب دینا صاف ظاہر کرتا ہے کہ وہ اس زمانے میں اپنی نظیر آپ تھا۔ اسی کی کوششوں سے مسیحیت نے ساری ترقی کی۔ کوئی شخص یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ اتنے بڑے معزز لقب کا مستحق اس گوہر یک دانہ کے بعد ایک بھی ہوا ہو۔

مقدس برنباس کے اخلاص اور کرامات کو دیکھ کر اس زمانہ کے لوگوں نے برنباس کو ایک اور معزز خطاب بخشا جس کا ذکر اعمال ۱۴ : ۱۲ میں ہے۔ لوگ برنباس کو دیوتا سمجھتے تھے اور اس کے نام کی قربانیاں کرنے کو تیار ہو جاتے تھے۔ اس زمانے میں سب سے بڑا دیوتا زیوس نامی تھا' چنانچہ لوگوں نے برنباس کو زیوس کا معزز خطاب بھی دیا۔ مقدس برنباس کی عظمت پر اس کا مخالف لوقا بھی پردہ نہ ڈال سکا' چنانچہ وہ لکھتا ہے :

"وہ نیک مرد اور ایمان اور روح القدس سے معمور تھا"۔ (اعمال ۱۱ : ۲۴)

اناجیل اربعہ یعنی لوقا' متی' یوحنا اور مرقس کی اناجیل جن میں اہل کتاب نے افراط و تفریط کی تھی' کسی نے ان کو ابن اللہ اور کسی نے نعوذ باللہ ولد الزنا ٹھہرایا' حتیٰ کہ

عیسائیوں کی مروجہ اناجیل میں بھی مسیح علیہ السلام کو لعنتی، شراب ساز، شراب خور، بدکردار ثابت کیا گیا ہے۔ مقدس برنباس نے صحیح مسلک کو پیش کیا اور مسیحؑ کی شان و عظمت کا بیان وضاحت سے کیا۔

جب ہم چاروں اناجیل کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ برنباس ان اناجیل کے مؤلفین سے زیادہ صاحب علم اور اعلیٰ درجہ کا فلسفی دانشمند، مباحثہ و مناظرہ میں فرد کامل، اور تحریر و تقریر میں بڑا زبردست شخص تھا۔ اس کے بیان کی صفائی اور عبارت کی دلنشینی قابل تعریف ہے اور جسد، حس اور نفس کے بارہ میں دینی اعتبار سے اس نے جو فلسفیانہ بحث کی ہے وہ اس موضوع پر لکھنے والے دینی مباحث کی تمام تحریروں سے اعلیٰ و افضل ہے۔

اناجیل اربعہ کے مقابلے میں اس انجیل میں سب سے بڑی خوبی و عمدگی یہ ہے کہ اس میں حکمت کی روشن نشانیاں، فلسفہ اخلاق و ادب کا دلکش طرز اور بیان کا ایسا جادو اثر ڈھنگ پایا جاتا ہے جس کی اعلیٰ درجہ کی بلاغت دلوں کو اپنی جانب جذب کر لیتی ہے۔ پھر عبارت کی سادگی اور روانی بھی لطف کی بات ہے۔ اس انجیل کا مقصد انسانی جذبات کو بہت ہی بلند درجہ پر پہنچا دینے کی کوشش ہے۔ یہ آدمی کو حیوانی خواہشات سے پاک بنانا چاہتی ہے اور اسے نیک کام کا حکم دیتی اور برے کاموں سے منع کرتی ہے، عمدہ عادتوں پر رغبت دلاتی، بری حرکتوں سے خرابیوں سے آگاہ کرتی اور انسان کو خلق خدا کے ساتھ نیکی اور بھلائی کرنے میں ایثار کی دعوت دیتی ہے تاکہ اس سے انسانیت کا اثر بالکل مٹ جائے اور وہ اپنی زندگی محض نوعِ انسانی کی بہی خواہی پر وقف کر سکے۔

اس انجیل پر جو اعتراضات کئے جاتے ہیں ان میں سے چند ایک درج ذیل ہیں :

① اناجیل اربعہ کے مقابلے میں یہ کتاب افراط و تفریط سے خالی ہے، لہٰذا اس کو برنباس کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔

② اس کا مصنف نامعلوم ہے اور اس کے زمانہ تصنیف کا بھی علم نہیں۔

③ اس کتاب میں بعض مضامین بالکل غلط ہیں اور دوسری انجیلوں کے خلاف ہیں۔ مثلاً اس میں رسول اللہ ﷺ کا ذکر واضح الفاظ میں موجود ہے۔

ان اعتراضات کے علماء نے نہایت شافی انداز میں جوابات دیئے ہیں۔ مثلاً عیسائی اس انجیل کی نسبت مقدس برنباس کی طرف صحیح نہیں سمجھتے لیکن اس کی کیا دلیل ہے؟ وہ دنیا میں کسی پادری کے پاس نہیں ہے۔ جب ایک شخص کی طرف ایک کتاب منسوب ہو تو بلا دلیل اس سے انکار کرنا قطعاً قابل سماعت نہیں۔

جہاں تک اناجیل اربعہ کا تعلق ہے ان کے بھی دورِ تصانیف میں اختلاف ہے' ان کے مصنف بھی نامعلوم ہیں' زمانہ تصنیف کا بھی علم نہیں' مقام تصنیف بھی اکثر کا معلوم نہیں' لیکن عیسائی ان کو الہامی مانتے ہیں۔

تیسرا اعتراض یہ کہ اس کتاب میں بعض مضامین بالکل غلط ہیں اور دوسری انجیلوں کے خلاف ہیں۔ مثلاً اس میں رسول اللہ ﷺ کا ذکر واضح الفاظ میں موجود ہے۔ اصل میں یہی رسول دشمنی اس کتاب کے انکار کا باعث ہوئی۔ جبکہ ہمارے نبی ﷺ کا ذکر مبارک تو مروجہ اناجیل میں بھی موجود ہے۔ لوقا اور یوحنا کی انجیل سے ایک ایک اقتباس بطور مثال درج ذیل ہے :

① انجیل یوحنا ۱۵ : ۱۶-۱۷ —— "اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کرو گے اور میں باپ سے درخواست کروں گا کہ وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے' یعنی روح حق جسے دنیا حاصل نہیں کر سکتی"۔

② لوقا ۳ . ۱۶ —— "مگر جو زور آور ہے وہ آنے والا ہے' میں اس کی جوتی کا تسمہ کھولنے کے لائق نہیں ہوں' وہ تمہیں روح القدس اور آگ سے بپتسمہ دے گا"۔

غرض انجیل برنباس کو تسلیم نہ کرنے کی اصل وجہ بشارت محمدیؐ کا واضح الفاظ میں موجود ہونا ہے۔ انہی بشارتوں کو اس مضمون میں منتخب کیا گیا ہے۔ یہ اقتباسات انجیل برنباس اردو ترجمہ مولوی محمد حلیم صاحب انصاری سے لئے گئے ہیں' جو اسلامی مشن لاہور نے ۱۹۱۶ء میں شائع کیا۔

فصل ۱۷ : ۲۲-۲۳ —— لیکن عنقریب میرے بعد تمام نبیوں اور پاک آدمیوں کی روشنی آئے گا' تب وہ تمام نبیوں کے اقوال کی تاریکی پر نور چمکائے گا۔ کیونکہ وہ اللہ کا رسول ہے۔

فصل ۳۹ : ۱۴-۲۶ ـــــ پس جبکہ آدم اپنے پیروں پر کھڑا ہوا تو اس نے آسمان میں ایک تحریر سورج کی طرح چمکتی دیکھی جس کی عبارت تھی لا الٰہ الا اللہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ ۔ تب آدم نے اپنا مُنہ کھولا اور کہا: "میں تیرا شکر کرتا ہوں اے میرے پروردگار اللہ! کیونکہ تو نے مہربانی کی پس مجھ کو پیدا کیا۔ لیکن میں تیری منت کرتا ہوں کہ تو مجھے خبر دے کہ ان کلمات کے کیا معنی ہیں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ ۔ تب اللہ نے جواب دیا مرحبا ہے تجھ کو اے میرے بندے آدم! اور میں تجھ سے کہتا ہوں کہ تو پہلا انسان ہے جس کو میں نے پیدا کیا۔ اور یہ شخص جس کو تُو نے دیکھا ہے تیرا ہی بیٹا ہے جو کہ اس وقت کے بہت سے سال بعد دنیا میں آئے گا۔ اور وہ میرا ایسا رسول ہو گا کہ اس کے لئے میں نے سب چیزوں کو پیدا کیا ہے۔ وہ رسول کہ جب آئے گا دنیا کو ایک روشنی بخشے گا۔ یہ وہ نبی ہے کہ اس کی روح آسمانی روشنی میں ساٹھ ہزار سال قبل اس کے رکھی گئی تھی کہ میں کسی چیز کو پیدا کروں"۔ پس آدم نے یہ منت یہ کہا کہ "اے پروردگار! یہ تحریر مجھے میرے ہاتھ کی انگلیوں کے ناخنوں پر عطا فرما"۔ تب اللہ نے پہلے انسان کو یہ تحریر اس کے دونوں انگوٹھوں پر عطا کی، داہنے ہاتھ کے انگوٹھے کے ناخن پر یہ عبارت لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ اور بائیں ہاتھ کے انگوٹھے کے ناخن پر یہ عبارت مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ ۔ تب پہلے انسان نے ان کلمات کو پدری محبت کے ساتھ بوسہ دیا۔

فصل ۴۲ : ۱۱-۱۵ ـــــ (کاہنوں کے اس سوال پر کہ "تو کون ہے؟") یسوع نے جواب دیا : "تحقیق خدا کی نشانیاں جو اللہ میرے ہاتھ سے نمایاں کرتا ہے وہ ظاہر کرتی ہیں کہ میں وہی کہتا ہوں جو خدا کا ارادہ ہوتا ہے۔ اور میں اپنے آپ کو اس کا مانند نہیں شمار کرتا جس کی نسبت تم کہہ رہے ہو۔ کیونکہ میں اس کے لائق بھی نہیں ہوں کہ اس رسول اللہ کے جوتے کے بند یا نعلین کے تسمے کھولوں جس کو تم مَسِیَّا (رسول) کہتے ہو۔ وہ جو کہ میرے پہلے پیدا کیا گیا ہے اور اب میرے بعد آئے گا۔ اور وہ بہت جلد کلام حق کے ساتھ آئے گا اور اس کے دین کی کوئی انتہا نہ ہو گی"۔

فصل ۴۳ : ۱۳-۱۹ ـــــ (یہودا سکریوتی اور اندراس کے مَسِیَّا (رسول) کے بارے میں سوال کے جواب میں آپؑ نے فرمایا)

"میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ ہر ایک نبی جب وہ آتا ہے تو وہ فقط ایک ہی قوم کے لئے اللہ کی رحمت کی نشانی اٹھا کر لاتا ہے۔ اور اسی وجہ سے ان انبیاء کا کلام اُس قوم سے آگے نہیں بڑھا جس کی جانب وہ بھیجے گئے تھے۔ لیکن رسول اللہ جب آئے گا اللہ اس کو وہ چیز عطا کرے گا جو کہ اس کے ہاتھ کی انگشتری کی مانند ہے۔ پس وہ زمین کی ان تمام قوموں کے لئے خلاص اور رحمت لائے گا جو کہ اس کی تعلیم کو قبول کریں گی۔ اور عنقریب وہ ظالموں پر ایک زور کے ساتھ آئے گا۔ اور بُتوں کی عبادت کو مٹا دے گا کہ شیطان ذلیل و خوار ہو گا۔ کیونکہ اللہ نے ابراہیم سے ایسا ہی وعدہ کیا ہے اور کہا ہے "تو دیکھ کہ میں تیری نسل سے تمام زمین کے قبیلوں کو برکت دوں گا اور جس طرح کہ تو نے اے ابراہیم بُتوں کو توڑ کر پارہ پارہ کر دیا ہے ویسے ہی تیری نسل کرے گی"۔

فصل ۴۴ : ۱۹۔۳۱ ـــــ "اور اسی لئے میں تم سے کہتا ہوں کہ بیشک رسول اللہ ایک روشنی ہے جو تقریباً تمام مصنوعات باری کو مسرور کرے گا۔ کیونکہ وہ فہم اور مشورت کی روح سے آراستہ ہے۔ حکمت اور قوّت کی روح سے' خوف اور محبّت کی روح سے' بینش اور اعتدال کی روح سے' (وہ) محبّت اور رحمت کی روح سے آراستہ ہے' عدل اور تقویٰ کی روح سے' لطف اور صبر کی روح سے' ایسی روحیں کہ منجملہ ان کے اُس رسول نے اللہ سے سہ چند حصّہ اس کا پالیا ہے جو کہ اللہ نے اپنی تمام مخلوقات کو عطا کی ہیں۔ وہ کیسا مبارک زمانہ ہے جس میں کہ یہ (رسول) دنیا میں آئے گا۔ تم مجھے سچا مانو! ہر آئینہ میں نے اس کو دیکھا اور اس کے سامنے عزت و حرمت کو پیش کیا (اس کی تعظیم کی) ہے جیسا کہ اس کو ہر ایک نبی نے دیکھا ہے۔ کیونکہ اللہ اُن (نبیوں) کو اُس (رسول) کی روح بطور پیشین گوئی کے عطا کرتا ہے۔ اور جبکہ میں نے اس کو دیکھا میں تسلی سے بھر کر کہنے لگا "اے محمدؐ! اللہ تیرے ساتھ ہو۔ اور مجھ کو اس قابل بنائے کہ میں تیری جوتی کا تسمہ کھولوں۔ کیونکہ اگر میں یہ (شرف) حاصل کرلوں تو بڑا نبی اور اللہ کا قدوس ہو جاؤں گا"۔

فصل ۴۲ : ۱۰۔۲۴ ـــــ "باقی رہا میرا خاص معاملہ سو میں تحقیق اس لئے آیا ہوں کہ رسول اللہ کے واسطے جو اب جلد دنیا کے لئے ایک خلاص (چھٹکارے کا ذریعہ) لے کر

آئے گا' راستہ صاف کروں۔ لیکن تم اس بات سے ڈرتے رہو کہ دھوکا دیئے جاؤ' اس واسطے کہ بعد میں بہت سے جھوٹے نبی آئیں گے جو میرے کلام کو اخذ کرلیں گے اور میری انجیل کو ناپاک بنائیں گے"۔ تب اس وقت اندراس نے کہا "اے معلم! ہمارے لئے کوئی نشانی بتا' تاکہ ہم اس (رسول) کو پہچانیں"۔ یسوع نے جواب دیا : "بے شک وہ تمہارے زمانہ میں نہ آئے گا بلکہ تمہارے بعد کئی برسوں کے (گزرنے پر) جس وقت کہ میری انجیل باطل کردی جائے گی اور قریب قریب تیں مؤمن بھی نہ پائے جائیں گے۔ اُس وقت میں اللہ دنیا پر رحم کرے گا۔ پس وہ اپنے اس رسول کو بھیجے گا جس کے سر پر ایک سفید ابر کا ٹکڑا قرار پذیر ہو گا۔ اس کو ایک اللہ کا برگزیدہ پہچانے گا اور وہی اسے دنیا پر ظاہر کرے گا۔ اور وہ (رسول) بدکاروں پر بڑی قوت کے ساتھ آئے گا اور بتوں کی پوجا کو دنیا سے نابود کردے گا۔ اور میں اس بات کو راز کی طرح کہتا ہوں' کیونکہ اسی (رسول) کے ذریعہ سے اس کا اعلان ہو گا اور اللہ کی بڑائی کی جائے گی اور میری سچائی ظاہر ہو گی۔ اور عنقریب وہ (رسول) ان لوگوں سے انتقام لے گا جو کہتے ہیں کہ میں انسان سے بڑھ کر ہوں۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تحقیق چاند اس کو اس کے بچپن میں سلانے کے لئے لوریاں دے گا اور جب وہ (رسول) بڑا ہو گا تو وہ اس (چاند) کو اپنی دونوں ہتھیلیوں سے پکڑ لے گا۔ پس چاہئے کہ دنیا اس کا انکار کرنے سے ڈرے' اس لئے کہ وہ بت پرستوں کو قتل کرے گا۔ پس تحقیق موسیٰ اللہ کے بندے نے اس سے بہت ہی زیادہ قتل کیا ہے اور یشوع نے ان شہروں کو باقی نہیں چھوڑا جنہوں نے اس کو جلادیا اور بچوں کو قتل کیا تھا۔ اس لئے کہ پرانا زخم اس کے لئے گرم لوہے سے داغنا استعمال کیا جاتا ہے۔ اور وہ ایک ایسے حق کے ساتھ آئے گا جو تمام نبیوں (کے حق) سے واضح تر ہو گا اور وہ اس کو ملامت کرے گا جو دنیا میں اچھا سلوک (برتاؤ) نہ کرے۔ اور ہمارے باپ دادا کے شہر کے برج خوشی کی وجہ سے ایک دوسرے کو مبارک باد دیں گے۔ پس جس وقت کہ بتوں کی پوجا کا زمین سے دُور ہونا دیکھا جائے گا اور یہ اقرار کیا جائے گا کہ بیشک میں بھی تمام انسانوں جیسا ایک انسان ہوں تو میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ تحقیق اللہ کا نبی اُسی وقت آئے گا"۔

فصل ۸۲ : ۱۴-۱۷ ـــــ "عورت نے کہا "شاید تو ہی مَسِیّا (رسول) ہے اے سید!" یسوع نے جواب دیا : "حق یہ ہے کہ میں ہی اسرائیل کے گھرانے کی طرف خلاص کا نبی بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ لیکن میرے بعد جلد ہی مَسِیّا' اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا تمام دنیا کے لئے آئے گا' وہ مَسِیّا (رسول) کہ اللہ نے اسی کی وجہ سے دنیا کو پیدا کیا ہے۔ اور اس وقت تمام دنیا میں اللہ کو سجدہ کیا جائے گا اور رحمت حاصل کی جائے گی یہاں تک کہ جوبلی کا سال جو اس وقت ہر سو برس پر آتا ہے مَسِیّا (رسول) اس کو ہر سال ہر ایک جگہ میں بنادے گا"۔

فصل ۹۶-۹۷ : ۸-۱ ـــــ (مَسِیّا کی کیفیت کے بارے میں کاہنوں کے سوال کے جواب میں یسوع نے کہا: "اس اللہ کی جان کی قسم ہے جس کے حضور میں میری جان استادہ ہو گی کہ درحقیقت میں وہ مَسِیّا (رسول) نہیں ہوں جس کا کہ تمام زمین کے قبیلے انتظار کرتے ہیں' جیسا کہ اللہ نے ہمارے باپ ابراہیم سے یہ کہہ کر وعدہ کیا ہے کہ یہ میں تیری ہی نسل سے زمین کے کل قبائل کو برکت دوں گا۔ مگر جب اللہ مجھ کو دنیا سے اٹھالے گا تب شیطان دوسری دفعہ ملعون فتنہ کو پھر یوں اٹھائے گا کہ غیر متقی کو یہ اعتقاد کرنے پر آمادہ بنائے گا کہ میں (یسوع) اللہ ہوں یا اللہ کا بیٹا۔ پس اس کے سبب سے میرا کلام اور میری تعلیم نجس ہو جائے گی یہاں تک کہ قریب قریب تیس مؤمن بھی باقی نہ رہیں گے۔ اس وقت اللہ دنیا پر رحم کرے گا اور اپنے اس رسول کو بھیجے گا کہ اسی کے لئے سب چیزیں پیدا کی ہیں۔ وہ نبی کہ جنوب سے قوت کے ساتھ آئے گا اور بتوں کی پوجا کرنے والوں کو ہلاک کرے گا۔ اور شیطان سے اس کی وہ حکومت چھین لے گا جو اُسے انسانوں پر حاصل ہے۔ اور وہ ان لوگوں کی نجات کے لئے جو اس پر ایمان لائیں گے' اللہ کی رحمت لائے گا۔ اور جو اس کے کلام پر ایمان لائے گا وہ مبارک ہو گا۔ اور باوجود اس کے کہ میں اس کی جوتی کا تسمہ کھولنے کا بھی مستحق نہیں ہوں میں نے اللہ کی طرف سے نعمت اور رحمت کے طور پر یہ (رتبہ) حاصل کیا ہے کہ اس کو دیکھوں"۔

فصل ۱۱۲ : ۱۶-۱۷ ـــــ "مگر جب مقدس محمدؐ رسول (ﷺ) آئے گا وہ اس بدنامی کے دھبے کو مجھ سے دور کرے گا۔ اور اللہ یہ اس لئے کرے گا کہ میں نے مَسِیّا کی حقیقت

کا اقرار کیا ہے۔ وہ مَسِیّا (رسول) جو مجھے یہ نیک بدلہ دے گا یعنی کہ میں پہچانا جاؤں کہ زندہ ہوں اور یہ کہ میں ایسی موت مرنے کے دھبے سے بری ہوں"۔

فصل ۱۴۲ : ۱۷-۱۸ ـــــ "اور اس سے بڑھ کر آفت کی بات یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ مَسِیّا (رسول) داؤد کی نسل سے نہ آئے گا (جیسا کہ اس کے نہایت خاص شاگرد نے ہم سے کہا ہے) بلکہ وہ کہتا ہے کہ درحقیقت وہ (مَسِیّا) اسمٰعیل کی نسل سے آئے گا۔ اور یہ کہ وعدہ (قربانی) اسمٰعیل کے ساتھ کیا گیا تھا نہ کہ اسحاق کے ساتھ"۔

فصل ۱۶۳ : ۳-۱۱ ـــــ "بھائیو! اس میں شک نہیں کہ برگزیدگی کا سابق میں ہو جانا ایک بڑا بھاری راز ہے۔ تاآنکہ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ اسے صاف طور پر نہیں جانتا مگر فقط ایک ہی انسان۔ اور وہی انسان ہے کہ اس کی طرف قومیں گردن اٹھا کر دیکھ رہی ہیں۔ وہ ایسا انسان ہے کہ اللہ کے راز اس پر پوری طرح واضح و جلی ہوں گے۔ پس زہے نصیب ان لوگوں کے جو اس کے کلام پر کان لگائیں گے جبکہ وہ دنیا میں آئے گا۔ اس لئے کہ اللہ اس پر سایہ کرے گا جیسا کہ یہ کھجور کا درخت ہم پر سایہ کر رہا ہے۔ ہاں بے شک جس طرح یہ درخت ہم کو جلانے والے آفتاب کی دھوپ سے بچاتا ہے ویسے ہی اللہ کی رحمت ایمان والوں کو اس نام کے ذریعہ شیطان سے بچائے گی"۔ شاگردوں نے جواب میں کہا : "اے معلم! وہ آدمی کون ہوگا جس کی نسبت تو یہ باتیں کہہ رہا ہے اور جو کہ دنیا میں عنقریب آئے گا؟" یسوع نے دلی خوشی کے ساتھ جواب دیا : بے شک وہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ ہے۔ اور جب وہ دنیا میں آئے گا تو اس اصلی رحمت کے وسیلہ سے جس کو وہ لائے گا انسانوں کے مابین نیک اعمال کا ذریعہ ہوگا۔ جس طرح سے کہ مینہ زمین کو پھل دینے والا بنا دیتا ہے بارش کے عرصہ دراز تک بند رہنے کے بعد۔ پس وہ سفید ابر اللہ کی رحمت سے بھرا ہوا ہے اور یہی رحمت ہے کہ اللہ ایمان والوں پر اس کی پھوار پانی کی بوندوں کی طرح نثار کرے گا"۔

فصل ۱۹۲ : ۶ ـــــ "اس لئے کہ بلاشبہ مَسِیّا (رسول) ہی پر ایمان لانے سے اللہ تمام انسانوں کو نجات دے گا اور کوئی آدمی اس کے بغیر کبھی نجات نہ پائے گا"۔

فصل ۲۰۸ : ۷ ـــــ (ذبیح اللہ کے متعلق سوال کے جواب میں یسوع نے کہا:)

"میں سچ کہتا ہوں کہ ابراہیم کا یہ بیٹا اسماعیل ہی ہے جس کی اولاد سے مَسِیًّا (رسول) کا آنا واجب ہے' وہ مَسِیًّا (رسول) کہ اس کے ساتھ ابراہیم کو یہ وعدہ دیا گیا ہے کہ اسی کے ورود سے زمین کے تمام قبیلے برکت پائیں گے"۔

فصل ۲۲۰ : ۱۹۔۲۰ ـــــ "پس جبکہ آدمیوں نے مجھ کو اللہ اور اللہ کا بیٹا کہا تھا' مگر یہ کہ میں خود دنیا میں بے گناہ تھا' اس لئے اللہ نے ارادہ کیا کہ اس دنیا میں آدمی یہودا کی موت سے مجھ سے ٹھٹھا کریں۔ یہ خیال کر کے کہ وہ میں ہی ہوں جو کہ صلیب پر مرا ہوں تاکہ قیامت کے دن میں شیطان مجھ سے ٹھٹھا نہ کریں۔ اور یہ بدنامی اس وقت تک باقی رہے گی جب کہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ آئے گا جو کہ آتے ہی اس فریب کو ان لوگوں پر کھول دے گا جو کہ اللہ کی شریعت پر ایمان لائیں گے۔

ان اقتباسات کے علاوہ بھی حضور اکرم ﷺ کا ذکر مبارک بعض واقعات میں آیا ہے۔

مراجع و مصادر

۱) عیسائیت اور اسلامی تعلیمات کا موازنہ' محمد شعیب

۲) اردو دائرہ معارف اسلامیہ' پنجاب یونیورسٹی

بقیہ : رسول کامل ﷺ

کیجئے اور اس کی کبریائی کو فی الواقع دنیا میں قائم کیجئے۔ یہ ترجمانی ہے سورۃ المدثر کی ابتدائی تین آیات کی۔ بہت سے محققین کی یہ رائے بڑی وزنی معلوم ہوتی ہے کہ سورۃ العلق کی ابتدائی پانچ آیات سے محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا آغاز ہوا اور سورۃ المدثر کی اِن ابتدائی آیات سے آپ ﷺ کی رسالت کا آغاز ہوا۔ واللہ اعلم

فصلّی اللّٰہ علیہ و علی آلہ و صحبہ و سلّم تسلیما کثیراً کثیراً

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ ○○

یادرفتگاں

حافظ احمد یار مرحوم ۔ ایک سچّے عاشق قرآن

تحریر : حافظ عاکف سعید

زیر نظر مقالہ گزشتہ سال نومبر میں حافظ احمد یار صاحب مرحوم کی یاد میں پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ علوم اسلامیہ کے تحت منعقدہ ایک تقریب میں پیش کیا گیا۔

حضرات محترم! آج کی یہ سنجیدہ اور باوقار محفل اُس مردِ درویش کی یاد میں سجائی گئی ہے جو ایک عالم باعمل' دلِ دردمند کا حامل' خودداری' وضع داری اور شرافت کا پیکر تو تھا ہی' ایک سچا عاشق قرآن بھی تھا۔ اِس مردِ درویش کی شخصیت کا مؤخرالذکر پہلو میرے نزدیک دیگر تمام اوصاف پر بھاری ہے اور مجھے یقین ہے کہ عند اللہ بھی مرحوم کا یہ وصف سب سے زیادہ دلربا اور دلفریب قرار پائے گا۔ برصغیر کی عظیم علمی اور جامع الصفات شخصیت مولانا مناظر احسن گیلانی کے بارے میں اُن کے کسی واقف حال نے بڑے خوبصورت الفاظ کہے تھے کہ ہمارے مولانا کے تو تمام ہی مناظر نہایت حسین ہیں۔ یاد رہے کہ مولانا کا نام مناظر احسن تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ کم و بیش یہی معاملہ حافظ احمد یار مرحوم کا بھی تھا۔ چنانچہ حافظ احمد یار مرحوم کی ہمہ صفت شخصیت کے بہت سے دوسرے اَن گنت قابل قدر پہلوؤں کو نظرانداز کرنا اگرچہ میرے لئے بہت مشکل ہے' اور ان سے مکمل صرفِ نظر کرنا آج کی محفل میں بھی میرے لئے ممکن نہ ہو گا' تاہم آج کی نشست میں وقت کی محدودیت کے پیش نظر میں حافظ صاحب مرحوم کے قرآن حکیم کے ساتھ والہانہ تعلق ہی پر قدرے تفصیل سے روشنی ڈالنے کی کوشش کروں گا۔

حافظ صاحب مرحوم سے میرا پہلا تعارف ۷۳۔۱۹۷۲ء میں ہوا جب آپ والد محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی دعوت پر مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام منعقد ہونے والی پہلی سالانہ قرآن کانفرنس میں شرکت کے لئے تشریف لائے۔ مرحوم سے میرا پہلا تعارف یک طرفہ تھا۔ میں اُن دنوں ہائی سکول کا طالب علم تھا۔ اور جہاں تک مجھے یاد ہے حافظ صاحب مرحوم کے مقالہ کا موضوع تھا "اعجازِ قرآن کے مختلف پہلو"۔ اُن کے مقالے کو

سن کر حافظ صاحب مرحوم کا اوّلین تاثر جو میرے لوحِ قلب پر ابھرا وہ ایک بھاری بھرکم علمی شخصیت کا تھا۔ میرے لئے یہ امر حیران کن تھا کہ وہ اتنے سنجیدہ موضوعات پر گفتگو کے دوران بھی لطافت اور خوش گفتاری کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑتے تھے اور یوں سامعین کی توجہ اور دلچسپی برقرار رہتی تھی۔ سالانہ قرآن کانفرنسوں کے انعقاد کا یہ سلسلہ ۱۴۱۵ برس جاری رہا۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ لاہور میں ہوتے ہوئے کسی قرآن کانفرنس سے حافظ صاحب مرحوم بغیر کسی شدید مجبوری کے غیر حاضر رہے ہوں۔ یہ قرآنِ حکیم کے ساتھ اُن کے والہانہ تعلق ہی کا مظہر تھا کہ انہیں قرآن کانفرنسوں کے ایک ایسے لازمی مقرر اور مقالہ نگار کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی جس کے بغیر کانفرنس نامکمل اور ادھوری محسوس ہوتی تھی۔

پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ علومِ اسلامیہ سے ریٹائرمنٹ کے بعد حافظ احمد یار مرحوم ۱۹۸۳ء میں والد محترم کی دعوت پر مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے ذیلی ادارے قرآن اکیڈمی کے ساتھ منسلک ہو گئے جہاں پڑھے لکھے (بی اے اور ایم اے پاس) افراد کے لئے عربی زبان اور ابتدائی دینی تعلیم کے دو سالہ کورس کا انہی دنوں اجرا ہوا تھا۔ میں سمجھتا ہوں یہ خدمت قرآن کا شدید جذبہ ہی تھا کہ حافظ احمد یار مرحوم نے بہت سی پُرکشش آفرز کو ٹھکرا کر مرکزی انجمن خدام القرآن اور اس کے ماتحت ادارے "قرآن اکیڈمی" کے ساتھ وابستہ ہونے کو ترجیح دی۔ بعد میں جب مجھے اُن سے زیادہ قریب ہونے کا موقع ملا تو میں نے بارہا اُن کے اس جذبۂ خدمت قرآنی کو اُن کی زبان سے الفاظ کے قالب میں ڈھلتے دیکھا۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن کی خدمت کے حوالے سے مجھے کسی بھی کام میں شرکت کی دعوت دی جائے اور خواہ کہیں بھی بلایا جائے میں جراءتِ انکار کر ہی نہیں سکتا۔ اس جملے کے بین السطور قرآن حکیم کے ساتھ حافظ صاحب مرحوم کے غیر معمولی تعلق کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

قرآن اکیڈمی کے دو سالہ کورس میں وہ طلبہ کو پہلے سال عربی زبان سے بھرپور طور پر روشناس کرانے کے لئے عربی گرامر کی مشہورِ زمانہ کتاب "عربی کا معلم" کے چاروں حصے بالاستیعاب پڑھاتے اور پھر دوسرے سال قواعد عربی کے اجراء کے ساتھ پورے قرآن حکیم کا ترجمہ سبقاً سبقاً پڑھاتے۔ وہ بلاشبہ اس کورس کے روحِ رواں تھے۔ جو طالب علم ایک دفعہ اُن کے سامنے زانوے تلمذ تہہ کر لیتا کوئی دوسرا اُستاد اُس کی نظروں میں جچتا ہی نہ تھا۔ راقم

السطور کو اگرچہ براہِ راست حافظ صاحب مرحوم سے علمی استفادہ کا زیادہ موقع نہ مل سکا تاہم مرحوم کی قرآن اکیڈمی سے وابستگی کے باعث ۱۹۸۳ء کے بعد سے اُن سے میل ملاقات اور انہیں قریب سے دیکھنے کا بھرپور موقع میسر آیا۔ مرحوم کا اپنے تمام شاگردوں بالخصوص راقم کے ساتھ رویہ نہایت مشفقانہ ہوتا۔ کورس کے طلبہ تو دو سال تعلیم مکمل کر کے رخصت ہو جاتے، لیکن چونکہ راقم قرآن اکیڈمی کے fellow کی حیثیت سے تعلیم و تعلم، تصنیف و تالیف اور دیگر انتظامی ذمہ داریوں کو نبھا رہا تھا لہٰذا راقم کو قریباً روزانہ ہی مرحوم سے ملاقات اور مختلف معاملات میں استفادہ کا موقع ملتا۔ چنانچہ یہ دو طرفہ تعلق جس کا آغاز ۱۹۸۳ء سے ہوا تھا، مرحوم کی زندگی کے آخری سانس تک نہ صرف برقرار رہا بلکہ اس میں مزید اضافہ ہی ہوتا رہا۔

راقم نے محسوس کیا کہ تعلیم و تدریس کے میدان میں مرحوم کی دلچسپی کے اصل موضوعات دو ہی ہیں، ایک عربی زبان اور دوسرے قرآن حکیم۔ کہنے کو یہ دو موضوعات ہیں لیکن سچی بات یہ ہے کہ عربی زبان اور اُس کی تدریس کے ساتھ اُن کے تعلق خاطر کا واحد سبب بھی یہی تھا کہ یہ قرآن کی زبان ہے۔ گویا عربی زبان سے دلچسپی بھی قرآن حکیم ہی کی وجہ سے تھی۔ چنانچہ عربی زبان اور قرآن کا ترجمہ پڑھاتے ہوئے اُن پر ایک عجیب وارفتگی طاری رہتی اور وہ بلا تکان مسلسل گھنٹوں پڑھاتے رہتے تھے۔ نہ خود اُن پر تھکاوٹ طاری ہوتی اور نہ ہی طلبہ میں بوریت کا احساس پیدا ہوتا۔ تدریس (teaching) میں اُن کا stamina بے مثال تھا۔ مزاج میں شگفتگی کا یہ عالم تھا کہ مرحوم عربی گرامر پڑھا رہے ہوں یا ترجمہ قرآن، دورانِ تدریس انہیں موقع و موضوع کی مناسبت سے نہایت مناسب حال لطیفے سنانے سے کوئی چیز نہیں روک سکتی تھی۔ شاید کئی کئی گھنٹے لگاتار عربی زبان اور ترجمہ قرآن پڑھنے کے باوجود طلبہ کے بور نہ ہونے کا ایک ظاہری سبب بھی یہی تھا۔

اُن کی یادداشت اور استحضارِ ذہنی بلا کا تھا۔ ہر موقع و حال کی مناسبت سے وہ کوئی نہ کوئی لطیفہ سنانے کی نہ صرف قدرت رکھتے تھے بلکہ اِس کا عملی مظاہرہ بھی کرتے تھے۔ سکھوں کے لطیفے بالخصوص انہیں بکثرت یاد تھے۔ بر محل اور بر موقع لطیفہ سنا کر محفل کو بھی کشت زعفران میں تبدیل کرتے اور خود بھی محظوظ ہوتے۔ ایسے موقعوں پر اُن کا تصنع سے پاک بے ساختہ قہقہہ جس میں ایک عجیب معصومانہ کھنک ہوتی تھی، لطیفے کے لطف کو دوبالا کرنے کا

باعث بنتا تھا۔

مرحوم کی شگفتہ مزاجی کے حوالے سے ایک واقعہ سنانا دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔ ۸۸-۱۹۸۷ء کے سیشن میں ہم نے طے کیا کہ حافظ صاحب مرحوم کے لیکچرز کی آڈیو ریکارڈنگ کا اہتمام کیا جائے' تاکہ قرآن اکیڈمی لاہور کے طرز پر پاکستان کے دوسرے شہروں میں قائم اداروں میں بھی اُن سے استفادہ کیا جاسکے۔ پیش نظر یہ بھی تھا کہ دیگر مدرسین حضرات ان cassettes سے رہنمائی حاصل کر کے ترجمہ قرآن کی تدریس کا کام احسن طریقے پر سرانجام دینے کے قابل ہو سکیں۔ حافظ صاحب مرحوم کو جب یہ بتایا گیا کہ ہم مکمل ترجمہ قرآن ریکارڈ کرنا چاہتے ہیں تو انہوں نے پریشانی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ اس طرح تو مجھے بہت محتاط ہونا پڑے گا' ورنہ میرے لطیفے بھی ریکارڈ ہو جائیں گے' اتنے محتاط اور سنجیدہ انداز میں پڑھانا تو میرے لئے مشکل ہو گا۔ لیکن حافظ صاحب کو ہم نے دلائل سے قائل کر ہی لیا کہ اس طرح قواعد گرامر کے اجراء کے ساتھ ترجمہ قرآن ریکارڈ ہونے سے اس کی افادیت کا دائرہ بہت وسیع ہو جائے گا۔ ترجمہ قرآن کے لیکچرز کی ریکارڈنگ کے دوران شروع کے دو چار دن تو حافظ صاحب مرحوم نے ضبط کیا' لیکن پھر یہ کہہ کر حسب سابق لطیفوں کا آزادانہ استعمال شروع کر دیا کہ "اب یہ لطیفے بھی ساتھ ہی ریکارڈ ہوتے ہیں تو ہو جائیں' میں ایسے مصنوعی ماحول میں نہیں پڑھا سکتا۔"

حافظ صاحب مرحوم کے ترجمہ قرآن پر مشتمل لیکچرز ڈیڑھ ڈیڑھ گھنٹے کے ۱۸۹ آڈیو کیسٹوں میں بمشکل سما سکے ہیں۔ بلاشبہ یہ کیسٹ طالبانِ علمِ قرآن کے لئے ایک اہم کلید اور نعمت عظمیٰ کا درجہ رکھتے ہیں۔ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور اور قرآن اکیڈمی کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس نے اس وقیع علمی اثاثے کو محفوظ رکھنے کا سامان کیا۔

حافظ صاحب مرحوم کے قرآن حکیم کے ساتھ عشق اور والہانہ تعلّقِ خاطر کا سب سے بڑا مظہر ۱۹۸۹ء کے ماہِ رمضان میں قرآن اکیڈمی میں دورۂ ترجمہ قرآن کی تکمیل ہے۔ مجھے اس جملے کی وضاحت کے لئے اِس واقعے کا پس منظر قدرے وضاحت سے بیان کرنا ہو گا۔ ۱۹۸۴ء کے ماہِ رمضان میں والد محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے جو خود بھی قرآن کے خادمین اور عاشقین میں نمایاں مقام کے حامل ہیں' نماز تراویح کے ساتھ دورۂ ترجمہ قرآن کی ایک درخشاں روایت کا آغاز کیا۔ تراویح کی ہر چار رکعت سے قبل اُن میں پڑھی جانے والی آیات

کا مکمل ترجمہ اور مختصر تشریح کوئی آسان کام نہ تھا۔ اس طرح روزانہ ایک پارے بلکہ سوا پارے کا بیان گرمیوں کی مختصر راتوں میں سحری کے وقت تک جاری رہتا۔ ۱۹۸۵ء میں بھی محترم والد صاحب نے پورا رمضان اسی شان سے بسر کیا اور ماہ رمضان کے اندر اندر ترجمہ قرآن کا دورہ مکمل کیا۔ اس پروگرام کی افادیت اور شرکاء کے ذوق و شوق کو دیکھتے ہوئے اسے قرآن اکیڈمی کی مستقل روایت کا درجہ دے دیا گیا۔ ۱۹۸۶ء میں محترم والد صاحب نے کراچی میں دورۂ ترجمۂ قرآن کا پروگرام بنایا تو یہ مسئلہ ایک بہت بڑے سوالیہ نشان کی صورت میں سامنے آیا کہ اب قرآن اکیڈمی لاہور میں ماہِ رمضان میں دورۂ ترجمہ قرآن کون کرائے؟ محترم ڈاکٹر صاحب کی نگاہِ انتخاب حافظ صاحب مرحوم پر پڑی۔ حافظ صاحب سے جیسے ہی اس معاملے کا ذکر ہوا انہوں نے بلا تامل آمادگی ظاہر کر دی اور ٦٦ سال کی عمر میں نوجوانوں جیسی ہمت اور فرزانوں جیسے ذوق و شوق کے ساتھ پورے ایک ماہ پر محیط اس نہایت مشقت طلب ذمہ داری کو نہایت عمدگی سے نبھایا اور تشنگانِ علم قرآن کو سیراب کیا۔ اس کے بعد رمضان ۱۹۸۹ء میں دوبارہ یہی صورت پیش آئی۔ محترم والد صاحب اس ماہِ رمضان میں پاکستان سے باہر تھے۔ چنانچہ حافظ احمد یار صاحب مرحوم کو دوبارہ زحمت دی گئی۔ لیکن ان دنوں حافظ صاحب مرحوم ایک انتہائی تکلیف دہ عارضہ میں مبتلا تھے' ان پر شدید نوعیت کے ULSARIAL COLITUS کا حملہ ہوا تھا۔ بڑی آنت کی اس سوزش کے باعث انہیں ۲۴ گھنٹے کے دوران بلامبالغہ بیسیوں بار باتھ روم جانے کی حاجت ہوتی تھی۔ مرض کے طول پکڑ جانے کے باعث ضعف اور نقاہت طاری رہتی تھی۔ دورۂ ترجمہ قرآن جیسی بھاری اور حساس ذمہ داری کا کیا سوال' میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ ایسے حالات میں کوئی شخص ہلکی سے ہلکی اور خفیف سے خفیف ذمہ داری قبول کرنے پر بھی آمادہ نہیں ہو سکتا' لیکن آفرین ہے اُس عاشق قرآن پر کہ اُس انتہائی تکلیف دہ اور پریشان کن عارضہ کے ساتھ پورے ماہِ رمضان پر محیط اس انتہائی کٹھن پروگرام کو اس خوش اسلوبی سے نبھایا کہ عام لوگوں کو اِس بات کا احساس تک نہ ہوا کہ مرحوم کسی بھی اعتبار سے علالت کا شکار ہیں۔ ہاں قریبی لوگ جو اُن کے اس تکلیف دہ عارضے اور اذیت ناک صورتِ حال سے آگاہ تھے' حافظ صاحب مرحوم کے اس جذبۂ بے اختیار شوق کو دیکھ کر حیران و ششدر رہتے تھے کہ جس نے ناممکن کو ممکن کر دکھایا تھا۔ ہم نے اس وقت اعجازِ قرآنی کا یہ مظہر بھی دیکھا کہ اگرچہ عام حالات میں

حافظ صاحب کو اوسطاً دس پندرہ منٹ کے بعد لازماً ٹائلٹ جانے کی حاجت ہوتی، لیکن عجیب بات تھی کہ ہر چار رکعت تراویح سے قبل قرآن کا ترجمہ کرتے ہوئے ان کا بیان ۳۵ منٹ پر محیط ہوتا، اور جتنا عرصہ اُن کا بیان جاری رہتا تھا اُنہیں حاجت نہ ہوتی، لیکن بیان کے مکمل ہوتے ہی انہیں اضطراری طور پر باتھ روم جانا پڑتا۔

حضراتِ محترم! اس غیر معمولی تکلیف کے ساتھ مسلسل تیس دن روزانہ پانچ پانچ گھنٹے پر محیط پروگرام کو نبھانا ایک معجزے سے کم نہ تھا۔ یہ معجزہ بلاشبہ ان کے والہانہ شوق اور عشق قرآنی کا مرہونِ منت تھا۔ یہ بات دعوے کے ساتھ کہنے کی تو نہیں، لیکن میں کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ مجھے اللہ کی رحمت سے قوی امید ہے کہ قرآن حکیم کے ساتھ والہانہ تعلق کا یہ ایک واقعہ بھی ان کی نجات کے لئے کافی ہو گا اور اُن کا شمار ان خوش نصیبوں میں ہو گا کہ جن کے بارے میں ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ صاحب قرآن سے فرمائے گا قرآن پڑھتا جا، جتنی دیر وہ قرآن پڑھتا رہے گا اس کے درجات بلند ہوتے رہیں گے اور اس کا مقام و مرتبہ اس کی تلاوت کی ہوئی آخری آیت پر متعین ہو گا۔

مجھے اس امر کا شدّت سے احساس ہے کہ میری یہ تحریر "لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم" کے مصداق طول پکڑتی جا رہی ہے۔ تاہم میں یہاں خدمت قرآنی کے ضمن میں حافظ صاحب مرحوم کی ایک اور بلند پایہ علمی کاوش کا ذکر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ فہم قرآن کو عام کرنے اور عربی گرامر کے اصولوں کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے قرآن حکیم کے الفاظ و آیات کے مفہوم کو اخذ کرنے کی صلاحیت کو پروان چڑھانے کی خاطر حافظ صاحب مرحوم نے "لغات و اعرابِ قرآن" کے نام سے ایک نہایت مفید علمی خدمت کا آغاز کیا تھا، جو مرکزی انجمن خدام القرآن کے ماہانہ جریدے حکمت قرآن میں سالہاسال تک قسط وار شائع ہوتا رہا۔ حافظ صاحب مرحوم کے قریبی حلقہ احباب میں شامل افراد سے یہ بات مخفی نہ ہو گی کہ حافظ صاحب مرحوم نے خدمت قرآنی کی خاطر اپنی جولانی طبع کے لئے جس میدان کا انتخاب کیا تھا وہ تھا "رسم قرآنی اور علاماتِ ضبط"۔ حفاظت متن قرآنی کے اعتبار سے بلاشبہ یہ موضوع انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ لیکن یہ ایک ایسا Speacialised field ہے جس میں ہاتھ ڈالنے کے لئے بے پناہ فنی مہارت ہی نہیں وسعت مطالعہ اور وسعت نظر بھی درکار ہوتی ہے۔ چنانچہ یہ کام خواص کا نہیں بلکہ اخص الخواص کے کرنے کا ہے۔ الحمدللہ کہ حافظ صاحب اس کام کے لئے درکار

تمام ضروری اوصاف اور فنی مہارت سے پورے طور پر متصف تھے۔ ان کے خصوصی ذوق و شوق کی بدولت اس موضوع پر ان کے پاس کثیر علمی مواد جمع ہو گیا تھا جس میں اس موضوع پر ایسی نادر تصانیف بھی شامل تھیں کہ جن کے حصول کے بارے میں کوئی ہم جیسا عام شخص سوچ بھی نہیں سکتا۔ بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ اس موضوع پر انہیں ایک اتھارٹی کا درجہ حاصل تھا' اور اس پہلو سے عالم اسلام کے ان نامور سکالرز میں ان کا شمار ہوتا تھا جو انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں تو غلط نہ ہو گا۔ گویا اس اعتبار سے وہ لاکھوں میں سے نہیں کروڑوں میں سے ایک تھے۔ ان کی فنی مہارت کا یہ عالم تھا کہ رسم قرآنی کے اعتبار سے وہ عالم عرب میں شائع ہونے والے اُن قرآنی نسخوں میں بھی رسم الخط کی اغلاط کی نشان دہی کرتے تھے جو مصر اور سعودی عرب کی حکومت نے بڑے ادعاء کے ساتھ اور باہتمامِ خاص شائع کئے تھے۔ چنانچہ اس سارے مواد اور علمی اثاثے کو سمیٹ کر اُردو زبان میں کتابی صورت میں مرتب و مدون کرنا محال ہو گیا۔ علامات ضبط اور رسم قرآنی کے موضوع پر حافظ صاحب مرحوم کے متعدد علمی مقالات تو پاکستان کے چوٹی کے جرائد میں شائع ہوئے' لیکن اس موضوع پر ایک مبسوط کتاب مرتب کرنے کا خواب شرمندۂ تکمیل نہ ہو سکا۔ اس خواب کے شرمندۂ تکمیل نہ ہونے کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ اپنی عمر کے آخری حصے میں یعنی ۱۹۸۹ء سے انہوں نے "لغات و اعرابِ قرآن" کی ترتیب و تسوید کا آغاز کر دیا تھا۔ اس کام کی ضرورت و اہمیت کا احساس انہیں قرآن اکیڈمی میں عربی زبان اور ترجمہ قرآن کی تدریس کے دوران ہوا۔ اس اہم کام کی جانب انہیں راغب کرنے میں راقم کی کوششوں کو بھی دخل حاصل ہے۔ بہرکیف یہ اردو زبان میں اپنی نہج کا منفرد اور اچھوتا کام ہے کہ جس میں قرآن کے ہر ہر لفظ کو جسے عربی میں کلمہ کہتے ہیں' چار انداز سے زیر بحث لایا گیا ہے۔ (۱) لغت (۲) اعراب (۳) رسم الخط (۴) علاماتِ ضبط۔ حافظ صاحب مرحوم کے تبحر علمی اور وسعت مطالعہ کا یہ نتیجہ تھا کہ یہ کام غیر معمولی طور پر وسعت اختیار کر گیا۔ یہ کام ابھی ابتدائی مراحل میں تھا کہ اللہ کی طرف سے ان کا بلاوا آگیا اور وہ اپنی حیات میں اس کام کو سورۃ البقرۃ کے ۱۳ویں رکوع سے آگے نہ بڑھا سکے' لیکن اس کام کی وسعت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ سورۃ الفاتحہ اور سورۃ البقرۃ کے ابتدائی ۱۳ رکوع کی لغوی اور اعرابی بحث پر مشتمل یہ عظیم کام ماہنامہ "حکمت قرآن" میں ۹۳ اقساط میں مکمل ہوا' جن کے صفحات کی مجموعی تعداد ۱۶۰۰ بنتی ہے۔ میں یہاں یہ

عرض کئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ لغات و اعرابِ قرآن کے نام سے جس عظیم علمی کام کا بیڑا حافظ صاحب مرحوم نے اٹھایا تھا اس کام کو آگے بڑھا کر منزلِ مقصود تک پہنچانے والا کوئی باہمت تا حال سامنے نہیں آ سکا' حالانکہ حافظ صاحب مرحوم نے اس عظیم کام کے حوالے سے ۱۶۰۰ صفحات مرتب فرما کر گویا اس کے خطوط اور نشاناتِ راہ کی نشان دہی وضاحت کے ساتھ فرما دی تھی کہ اب اس کام کو انہی خطوط پر آگے بڑھانا اتنا دشوار نہیں رہا۔ لغات و اعرابِ قرآن کے اس نامکمل کام کو حافظ صاحب مرحوم کے بعد اسی والہانہ انداز میں آگے بڑھانے کے حوالے سے غالب کا یہ شعر بار بار میرے ذہن میں گونجتا ہے کہ ع

کون ہوتا ہے حریف مئے مرد افگن عشق
ہے مکرر لبِ ساقی پہ صلا میرے بعد

رسم قرآنی اور علاماتِ ضبط کا ذکر چھڑا ہے تو قرآن حکیم کے حوالے سے حافظ صاحب کے ایک اور شوق کا ذکر بھی بے محل نہ ہوگا۔ حافظ صاحب مرحوم کو قرآن حکیم کے مختلف اور متنوع نسخے حاصل کرنے کا بھی جنون کی حد تک شوق تھا۔ قرآن مجید کا ہر وہ نسخہ جو کتابت' طباعت یا رسم کے اعتبار سے کسی امتیازی خصوصیت کا حامل ہو اُسے ہر قیمت پر حاصل کرنا اور اپنی لائبریری کی زینت بنانا اُن کے نزدیک فرض اور واجب سے کم نہیں تھا۔ ان کی لائبریری اس اعتبار سے ایک قرآنک میوزیم قرار دی جاسکتی ہے کہ تاج کمپنی اور انجمن حمایت اسلام کے شائع شدہ قرآن حکیم کے خصوصی قدیمی ایڈیشنز سے لے کر سعودی عرب' مصر' مراکش اور افریقہ و یورپ کے بے شمار ممالک کے شائع شدہ قرآن ان کی لائبریری کا حصّہ ہیں۔ بعض کے رسم الخط ایسے عجیب و غریب اور ہمارے لئے اس درجے نامانوس ہیں کہ ان کو پڑھتے ہوئے دانتوں پسینہ آتا ہے۔ بعض قرآنی نسخے ایسے بھی ہیں کہ جن میں اختلافِ قراءت کا لحاظ کرتے ہوئے عام معروف روایت یعنی روایت حفص سے ہٹ کر کسی دوسری روایت کو بنیاد بنایا گیا ہے۔ چنانچہ دوری اور ورش کی روایت کے مطابق کتابت شدہ بعض نادر افریقی نسخے بھی اُن کی لائبریری کی زینت ہیں۔

اسی طرح حافظ صاحب مرحوم کو عالم اسلام کے چوٹی کے قراء کی قراءت کے ریکارڈ جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ قاری عبدالباسط' شیخ محمود خلیل الحصری اور شیخ صدیق منشاوی کے علاوہ بعض دیگر نسبتاً غیر معروف مصری قراء کی تلاوت کے ریکارڈ بھی اُن کی لائبریری میں

شامل ہیں۔ حافظ صاحب مرحوم کا شوق محض collection تک ہی محدود نہ تھا' بلکہ وہ بڑے اہتمام کے ساتھ تلاوت کے ان ریکارڈز کو سنتے اور خود بھی باقاعدہ تلاوت کا اہتمام کرتے تھے۔ ان کا یہ معمول تھا کہ وہ رمضان المبارک کے دوران بالخصوص اور روزانہ کی تلاوت میں بالعموم اس امر کا اہتمام کرتے کہ اپنی لائبریری میں موجود قرآن حکیم کے ہر نسخے کو باری باری اس ترتیب سے پڑھا جائے کہ قرآن کا کوئی بھی نسخہ ایسا نہ رہ جائے کہ جس سے انہوں نے تلاوتِ قرآنی میں استفادہ نہ کیا ہو۔ گویا وہ قرآن کے ہر نسخے کا یہ حق سمجھتے تھے کہ اس کی فرداً فرداً تلاوت کی جائے۔

میں حیران ہوں کہ حافظ صاحب مرحوم کے قرآن حکیم کے ساتھ والہانہ تعلق کے بیان کا حق بھی میں تاحال کسی درجے میں بھی ادا نہیں کر پایا اور مجھے تو ابھی ان کی شخصیت کے بہت سے ایسے پہلوؤں پر روشنی ڈالنی تھی جو بحیثیت انسان ان کی عظمت کا منہ بولتا ثبوت اور ہمارے لئے مشعل راہ ہیں۔ وقت کی تنگی کے پیش نظر اِس موضوع پر مزید تفصیلات کو آئندہ کسی نشست کے لئے ادھار رکھتے ہوئے میں صرف چند جملوں میں ان کی شخصیت کے اُن نمایاں خدوخال کا ذکر کرنے پر اکتفا کروں گا جس کی طرف اشارہ میں نے اپنی گفتگو کے آغاز میں اجمالاً کیا تھا۔

حافظ صاحب مرحوم اگرچہ اپنے علم و فضل کے اعتبار سے پاکستان کے چوٹی کے چند افراد میں شمار کئے جانے کے لائق تھے لیکن وہ مزاجاً شہرت اور نام و نمود سے دور بھاگنے والے انسان تھے۔ تکبر اور غرور کا کوئی شائبہ تک بھی اُن کی شخصیت میں تلاش نہیں کیا جا سکتا تھا۔ وہ انتہائی سادہ مزاج کے حامل اور حقیقی معنوں میں ایک درویش صفت انسان تھے۔ وہ ایک علم دوست انسان اور عالم باعمل تھے۔ قرآن سے تعلق کی بدولت انہیں اللہ کی ذات پر گہرا یقین حاصل تھا اور اُسی پر وہ توکل اور بھروسہ کرتے تھے۔ علم و فضل میں ممتاز مقام حاصل کرنے کے باوجود اُن کا رویہ آخری عمر تک طالب علمانہ رہا۔ اور یہی ان کی علمی ترقی اور عروج کا اصل راز تھا۔ وہ ایک انتہائی خوددار اور انتہائی وضع دار انسان تھے۔ وہ نہایت خلیق' ملنسار اور مہمان نواز تو تھے ہی' ایک انتہائی شفیق باپ بھی تھے۔ مجھے یقین ہے کہ اپنی بیٹیوں کی پرورش اور تربیت کے ضمن میں آنحضور ﷺ کا فرمان اُن کے پیش نظر تھا کہ جس میں اس شخص کے لئے خصوصی بشارت کا ذکر ہے جو اپنی بیٹیوں کی پرورش اور تربیت پر خصوصی

توجّہ دے۔ ان کے اوصافِ حمیدہ میں سے ہر ایک کے بارے میں تفصیلات درج کرنے کیلئے میرا قلم مچل رہا ہے' لیکن میں سردست اسے روک کر علامہ اقبال کے اس شعر پر اپنی گفتگو کا اختتام کرتا ہوں جو اِس عاشق قرآن کی شخصیت کے اوصاف و محاسن کا نہایت عمدگی اور جامعیت کے ساتھ احاطہ کرتا ہے کہ ؏

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مؤمن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن!

اللہ سے دعا ہے کہ وہ مرحوم کے قرآن کے ساتھ والہانہ تعلق اور ان کی خدمتِ قرآنی کو شرفِ قبول عطا فرماتے ہوئے ان کی خطاؤں کو معاف فرمائے اور انہیں اپنے جوارِ رحمت میں اس طور سے جگہ عطا فرمائے کہ جنّت میں ان کے درجات بلند سے بلند تر ہوتے چلے جائیں۔ اور ہمیں بھی اس جذبۂ بے اختیار شوق کا کوئی حصّہ عطا فرمادے جو مرحوم کی ہر ہر ادا سے جھلکتا نظر آتا ہے۔ آمین یارب العالمین

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

قارئین واحباب نوٹ فرمالیں!

پاکستان ٹیلی ویژن پر نشر ہونے والا' امیر تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد کا پروگرام "حقیقت دین"

اب ہفتہ میں دوبارہ دیکھا جا سکتا ہے :

i) جمعرات شام سوا چھ بجے پی ٹی وی ورلڈ پر
ii) اتوار صبح ساڑھے نو بجے پی ٹی وی پر

عدم برداشت کا قومی و بین الاقوامی رجحان اور تعلیماتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

——— پروفیسر ایم نذیر احمد تشنہ ———

"عدم برداشت کا قومی و بین الاقوامی رجحان اور تعلیماتِ نبویؐ" کے عنوان سے پروفیسر عبدالماجد صاحب کا مضمون قبل ازیں ماہنامہ حکمت قرآن میں اپریل تا جون ۲۰۰۰ء کے شماروں میں تین اقساط میں شائع ہو چکا ہے۔ اسی موضوع پر ہمیں پروفیسر ایم نذیر احمد تشنہ کی تحریر موصول ہوئی ہے' جو ہدیۂ قارئین کی جا رہی ہے۔

قومی و بین الاقوامی عدم برداشت کے رجحان کا جائزہ لینے کے لئے اس کے پس منظر میں کارفرما عوامل کا بغور مطالعہ ضروری ہے' جن کی وجہ سے اقوام عالم کے صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے اور نرمی' محبّت و مودت کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے۔ تصورِ قومیت میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں اور مختلف جغرافیائی خطوں میں نسل اور زبان کے تعلق سے الگ الگ قومیں معرض وجود میں آتی ہیں۔ ان میں سے ہر قومیت کے افراد کے باہمی مفادات ممکن ہے کہ ہم آہنگ ہوں' لیکن حقیقت یہ ہے کہ مختلف قومیتوں میں ہم آہنگی کی بجائے تضاد پایا جاتا ہے۔ پھر یہ تضاد ان کو باہمی مسابقت' مقابلہ اور بالآخر مقاتلہ تک لے جاتا ہے۔ خلافتِ عثمانیہ سے دنیائے عرب کا امریکہ' فرانس اور برطانیہ کا آلۂ کار بن کر الگ ہونا اور پھر ۱۹۲۴ء میں مصطفٰے کمال اتاترک کا خلافت کو ختم کر کے قومیت کے نام پر ترکی کو ترقی دینا' اس کی مثال ہے۔ بقول اقبال :

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے!

برِّعظیم پاک و ہند میں تحریک پاکستان کی بنیاد دو قومی نظریہ بنا۔ مسلمانوں نے "قومیں اوطان سے بنتی ہیں" کو ٹھکرا کر "قومیں نظریئے سے بنتی ہیں" کو اساس بنایا اور پاکستان حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ لیکن ۱۹۷۱ء میں خطے' نسل اور زبان کے تعصّب نے جوش مارا۔ اس طرح مشرقی پاکستان کے عوام عدم برداشت کے رجحان کی زد میں آ گئے اور یوں کرۂ ارض کی سب سے بڑی اسلامی مملکت دولخت ہو گئی۔

نظریہ وطن میں نسل اور زبان کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ ایران' عراق اور ترکی میں ۴۶۰۰۷ مربع میل میں نو لاکھ کرد آباد ہیں۔ تینوں ممالک کردوں کو ان کا جائز مقام دینے سے گریزاں ہیں اور کرد مسلم ممالک کے مسلمان شہری ہونے کے باوجود نسل کے نام پر اپنے الگ تشخص کے لئے سرگرمِ عمل ہیں۔ حال ہی میں ترکی حکومت نے کرد رہنما عبداللہ اوجلان کو گرفتار کر کے بغاوت کا مقدمہ قائم کر دیا ہے۔ نسل پرستی یوگوسلاویہ میں بھی رنگ لائی۔ ۱۹۹۱ء میں چھ کی وحدت سے تین ریاستیں الگ ہو گئیں۔ ۱۹۹۲ء میں بوسنیا کی پارلیمنٹ نے بھی خود مختاری اختیار کر لی اور یہ اقوام متّحدہ کا ممبر بن گیا۔ یوگوسلاویہ اور سربیا بوسنیائی مسلم ریاست کو پسندیدہ نگاہوں سے نہیں دیکھتے تھے' چنانچہ انہوں نے سربوں کی پشت پناہی کر کے البانوی نژاد مسلمانوں کا قتل عام شروع کرا دیا۔ بوسنیا میں خون ریزی' عصمت دری اور گینگ ریپ کا بازار گرم ہو گیا اور تین لاکھ البانوی نژاد مسلمان گھر بار چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔ بین الاقوامی طور پر کوششیں ہو رہی ہیں کہ بوسنیا کے مسلمانوں اور سربوں میں امن کا معاہدہ طے پا جائے۔ قبرص بھی نسل پرستی کا شکار ہو کر دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ شمالی حصے میں ۲۷ فی صد یونانی اور ۱۸ فی صد ترک' جبکہ جنوبی حصے میں ۹۹ فی صد ترک اور ایک فی صد یونانی تھے۔

نسلی تعصّب امریکی معاشرت کی پیشانی کا بدنما داغ ہے۔ امریکہ میں سیاہ فاموں کو ذلیل و رسوا کرنا' امریکی تہذیب کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ امریکہ میں سیاہ فاموں کو سفید فاموں کے ہم پلہ بننے کے لئے آگ و خون کے دریا سے گزرنا پڑا ہے۔ مغربی ممالک فراخ دلی کے دعوؤں کے باوجود بھی نسلی تعصب سے جان نہیں چھڑا سکے۔ حال ہی میں ڈیلی ٹیلی گراف نے جائزہ رپورٹ تیار کی ہے جس میں ۸۰ فیصد برطانوی باشندوں نے رائے دی

تھی کہ "نسل پرستی" آج بھی ختم نہیں ہوئی۔ امریکی صدر ابرہام لنکن نے غلامی کو ختم کرنے کا حکم دیا تھا جس کے نتیجے میں ہولناک لڑائیوں کا سلسلہ چل نکلا اور لاکھوں امریکی دونوں طرف سے لقمۂ اجل بنے، حتیٰ کہ ابرہام لنکن خود بھی قتل ہو گیا۔

روس نے افغانستان کو اپنی جارحیت کا نشانہ بنایا مگر یہ اس کے لئے جان لیوا ثابت ہوا۔ آخر اسے جنیوا معاہدے کے مطابق ۱۴/اپریل ۱۹۸۸ء کو افغانستان خالی کرنا پڑا۔ افغان جنگ میں روس کا اندرونی توازن اس حد تک بگڑ گیا کہ وہ اپنی وحدت کو قائم نہ رکھ سکا۔ افغانستان میں مجاہدین ۸۰ فیصد علاقے پر قابض تھے مگر اقتدار جنرل نجیب اللہ کو ملا۔ اس سے افغانستان خانہ جنگی کی لپیٹ میں آ گیا۔

بڑی طاقتوں کی چال بازی بھی کمزور ملکوں کو اپنا آلۂ کار بنائے رکھتی ہے۔ اس کی ایک مثال دنیائے عرب میں اسرائیل کی حکومت کا قیام ہے۔ دوسری جنگ عظیم میں یہودیوں نے اپنی مالی اور فوجی امداد سے اتحادیوں کو اپنا ہم نوا بنا لیا جس کے نتیجے میں ۱۴ مئی ۱۹۴۸ء کو امریکہ اور برطانیہ کی ملی بھگت سے اسرائیلی حکومت قائم کر دی گئی۔ عربوں نے اس شجرۂ خبیثہ کو جڑ سے اُکھاڑنے کے لئے ۱۹۴۸ء، ۱۹۵۶ء، ۱۹۶۷ء اور ۱۹۷۳ء کی جنگیں لڑیں مگر وہ اس کا قلع قمع نہ کر سکے اور خود انتشار کا شکار ہو کر رہ گئے۔

برطانیہ نے ۱۹۴۷ء میں برِّعظیم کو ۳/جون ۱۹۴۷ء کے منصوبے کے تحت دو مملکتوں میں تقسیم کیا مگر ریاست جموں و کشمیر کا بھارت سے الحاق کر کے اور پنجاب کی غیر منصفانہ تقسیم کر کے دو ملکوں کو الجھا دیا۔ بھارت بڑی طاقت ہونے کی وجہ سے پاکستان کے وجود کو تسلیم کرنے سے ہمیشہ گریزاں رہا ہے۔ اس نے دو قومی نظریئے کو باطل قرار دینے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا ہے۔ پہلے اس کا خیال تھا کہ پاکستان معاشی طور پر نڈھال ہو کر اکھنڈ بھارت بننے کی خود درخواست کرے گا۔ اس کی یہ آرزو پوری نہ ہوئی تو وہ کنفیڈریشن کے ذریعے نظریہ پاکستان کو غلط ثابت کرنے کی کوشش میں ہے۔ بھارت ریاست جموں و کشمیر سے استصواب رائے کا سلامتی کونسل میں وعدہ کرنے کے بعد وعدہ خلافی کا مرتکب ہو رہا ہے۔ اس طرح پاکستان اور بھارت کے درمیان ۱۹۴۸ء، ۱۹۶۵ء

اور ۱۹۷۱ء کی جنگیں ہو چکی ہیں۔ ۱۹۹۰ء سے مجاہدین کشمیر آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ بھارت کی سات لاکھ فوج ریاست جموں و کشمیر میں برسرپیکار ہے جس کے نتیجے میں ہزاروں کشمیری جامِ شہادت نوش کر چکے ہیں۔ ہزاروں عورتیں اپنی عصمت سے محروم ہو چکی ہیں اور ہزاروں بچے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کر چکے ہیں۔ شہداء نے اپنے خون سے آزادی کے جو دیپ روشن کئے ہیں' ان کی روشنی سے ہی ظلمت کی تاریکی چھٹے گی۔

بعض ممالک بڑی طاقتوں کا آلۂ کار بن کر دوسرے ملکوں کی آزادی کو نشانہ بناتے ہیں۔ اسرائیل مشرقِ وسطیٰ میں بڑی طاقتوں کا پروردہ اور منظورِ نظر ہے۔ اس نے کئی بار عرب ممالک کو اپنی جارحیت کا نشانہ بنایا۔ اردن اور لبنان تو نصف صدی سے اس کی بربریت اور ظلم کا تختۂ مشق بن رہے ہیں۔ بڑی طاقتیں بے تحاشا جنگی ساز و سامان تیار کرتی ہیں۔ انہیں اسلحہ' بارود اور مہلک ہتھیار فروخت کرنے کے لئے منڈیوں کی تلاش ہوتی ہے۔ اس لئے وہ ہمسایہ ملکوں کو لڑانے اور ان کو ہتھیار فروخت کر کے دولت ہتھیانے کی فکر میں رہتے ہیں۔ ایسی ہی ایک مثال عراق ایران جنگ کی ہے۔ ایران میں ۱۹۷۹ء میں مذہبی انقلاب آیا۔ امریکہ کو خطرہ تھا کہ اگر اسلامی ملکوں نے انقلاب کی پشت پناہی کی تو عالمِ اسلام کی قیادت ایران کے بنیاد پرست حاصل کر لیں گے۔ عراق اُن دنوں تیل کی دولت سے اسلحہ سازی کے ارتقائی مراحل طے کر کے ایٹم بم تک پہنچنے کی صلاحیت حاصل کر رہا تھا۔ چنانچہ امریکہ نے عراق کی قیادت کو شیشے میں اتار کر ایران پر حملے کی راہ دکھائی۔ عراق نے امریکہ کے حلقۂ دامِ فریب میں گرفتار ہو کر ایران پر حملہ کر دیا اور ۱۹۸۰ء سے ۱۹۸۸ء تک دونوں ملک بے فائدہ جنگ لڑتے رہے۔ دنیائے اسلام کو اس جنگ سے دو نقصان ہوئے۔ ایک طرف انقلاب کے بعد ایران کی ترقی کی رفتار سست پڑ گئی اور دوسری طرف مسلمان ممالک عراق سے بدظن ہو گئے اور اس کی ایٹمی طاقت بننے کی صلاحیت بھی دب کر رہ گئی۔

بڑی طاقتیں مشرقِ وسطیٰ سے تیل کی دولت ہتھیانے کی فکر میں تھیں۔ ایک بار پھر عراق امریکہ کے دامِ فریب میں آگیا اور وہ کویت پر حملہ کر بیٹھا۔ اس آڑ میں امریکہ نے

عراق پر ایک کاری ضرب لگائی اور سعودی عرب و کویت کو نہ صرف ہتھیار فروخت کئے بلکہ اپنی بھاری فوج کے اخراجات کا بوجھ بھی ان پر ڈال دیا۔ اب بڑی طاقتیں محسوس کر رہی ہیں کہ سعودی عرب اور کویت کی ہمت جواب دے رہی ہے۔ اسلئے اب وہ نئے شکار کی تلاش میں ہیں۔ اب شاید ایران انکے عزائم کی تکمیل میں معاون ثابت ہو۔ ایران نے تین جزائر ابو موسیٰ، لیسر اور تنب پر قبضہ کر لیا ہے، جن پر عرب امارات اپنی ملکیت کا دعوے دار ہے۔ خلیجی ممالک سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، عمان، قطر، بحرین اور کویت امریکہ سے اسلحے کے خریدار ہیں۔ حال ہی میں عرب امارات نے دو بلین ڈالر کے فضاء سے فضاء میں مار کرنے والے میزائل خرید کئے ہیں۔ ایران اور عرب امارات نے ہوش کے ناخن نہ لئے تو عراق کویت کی تاریخ یہاں بھی دہرائی جانے والی ہے۔

حکومتیں کہیں شہریوں کو ان کے بنیادی حقوق سے محروم رکھنے کے لئے کوشاں ہیں اور کہیں شہری برداشت کا دامن ہاتھ سے چھوڑ کر وفاق سے کٹنے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔ پہلی قسم میں بھارت سرِفہرست ہے۔ انڈیا آرمی نے ۶/جون ۱۹۸۴ء کو سکھوں کے گردوارے گولڈن ٹمپل پر حملہ کر کے سینکڑوں سکھوں کو موت کی نیند سلا دیا۔ جس کے نتیجے میں ۱۲/جون ۱۹۸۴ء کو بھجیت سنگھ نے خالصتان حکومت کا اعلان کر دیا اور ۳۱/اکتوبر ۱۹۸۴ء کو بھارت کی وزیراعظم مسز اندرا گاندھی اپنے دو سکھ محافظوں کے ہاتھوں قتل ہو گئی۔ بھارت شمال مشرقی ریاست آسام اور ریاست تری پورہ میں عوام کو ان کے حقوق دینے سے قاصر رہا ہے جس کی وجہ سے وہاں کے عوام بھارت کے خلاف ہتھیار اٹھانے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ دوسری قسم میں سری لنکا کے تامل ناڈو اور بوسنیا کے سرب آتے ہیں جو انتہائی قلّت میں ہونے کے باوجود بیرونی پشت پناہی کی وجہ سے حکومت کے لئے دردِ سر بنے ہوئے ہیں۔

بڑی طاقتیں دو عملی کا شکار ہیں۔ وہ جو خود اپنے لئے پسند کرتی ہیں اُس سے دوسروں کو باز رکھنے کی کوشش کرتی ہیں۔ وہ اکثر اپنی طاقت کا لوہا منوانے کے لئے چھوٹے ملکوں کو اپنی ہوس کا نشانہ بناتی رہتی ہیں۔ دوسری جنگِ عظیم کے بعد سے امریکہ

دوسرے ممالک کو سی ٹی بی ٹی کا پابند کرنے کی فکر میں ہے مگر خود کوئی پابندی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔

روس افغانستان کی جنگ میں اپنی وحدت کو قائم نہ رکھ سکا اور وسط ایشیا کی چھ مسلم ریاستیں آزاد ہو کر خود مختار حیثیت اختیار کر گئیں۔ ۱۹۹۱ء میں چیچنیا نے بھی روس سے الگ ہو کر اپنی خود مختاری کا اعلان کر دیا۔ چیچنیا کی ایک ملین آبادی ۸۰ فیصد سُنّی مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ روس نے ۱۹۹۴ء سے ۱۹۹۶ء تک اس پر جنگ مسلط کئے رکھی۔ تاہم چیچن مسلمانوں نے روس کو ایک معاہدہ کرنے پر مجبور کر دیا۔ اس کے باوجود روس چیچنیا کے اندرونی معاملات میں مداخلت کے لئے راہیں تلاش کرتا رہتا ہے۔ حال ہی میں روس نے پھر چیچنیا پر پوری شدّت سے بھرپور حملے کئے ہیں، لیکن انسانی حقوق کے علمبردار ممالک میں سے کسی کو اس کی مذمت کرنے کی توفیق نہیں ہوئی۔

اس کے علاوہ کینہ پروری، ناانصافی، جاگیرداری، دولت کی عدم مساوی تقسیم، شراب، فحاشی، عریانی، عوام کے حقوق سے غفلت، ٹیکسوں کی بھرمار، پُرتعیش زندگی، طبقاتی نظام، سیاسی انتقام، جہالت، تنگ نظری، جنسی بے راہ روی، میڈیا کا غلط استعمال، مذہبی تعصّب اور دین سے دوری جیسے عوامل شہریوں کے صبر کا پیمانہ لبریز کئے دیتے ہیں۔ شہروں کی طولانی، خواتین کی آزادی اور قائدین کا فقدان بھی شہریوں کو شکیب کا دامن ہاتھ سے چھوڑنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ طرزِ حکمرانی بھی بہت سے ملکوں میں عوام کے لئے فرسانِ روح بنی ہوئی ہے۔

دنیا میں مشہور طرق حکمرانی شخصی ملوکیت، آمرانہ طرز حکومت، مغربی جمہوریت اور کمیونزم کی شکل میں رائج ہیں۔ شخصی طرز حکومت انسانیت کے لئے سمِ قاتل ہے۔ اس میں اقتدار ایک خاندان کی وراثت بن کر رہ جاتا ہے اور سپوت سے پوت تک منتقل ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس طرح ایک خاندان بلاوجہ ملک کے ذرائع آمدن اور عوام کی محنت اور کاوش کا مالک بن بیٹھتا ہے۔

جمہوری طرز حکومت میں معمولی اکثریت سے جیتنے والی پارٹی صاحب اقتدار بن جاتی

ہے' جب کہ ہارنے والی پارٹیوں کے ووٹروں کی تعداد کہیں زیادہ ہوتی ہے' یہ بھی عدل و انصاف کے خلاف ہے کہ محض تعداد کی اکثریت کی وجہ سے حکمرانی اور فرمانروائی کا حق حاصل ہو جائے۔ جمہوریت کی اس مکروہ شکل کو امریکہ میں کالے گورے کے فسادات کے تناظر میں دیکھا جاسکتا ہے۔

کمیونزم میں بھی ایک جماعت اقتدار پر براجمان ہوتی ہے۔ کمیونزم میں کمیونسٹ پارٹی کے اربابِ بست و کشاد پورے ملک کو قیدی بنا کر اس کی آزادی اور کمائی کا استیصال کرتے ہیں اور انسان حیوانوں سے بدتر زندگی گزارنے پر مجبور ہوتے ہیں۔ روس اس نظامِ بد کی وجہ سے موت و حیات کی کشمکش میں دم توڑ رہا ہے۔ اس نظام نے وسطِ ایشیا کی مسلم ریاستوں کو باندھ کے رکھا تھا مگر موقع ملتے ہی اس جبر سے گلو خلاصی کرا کے وہ پھر سے اپنا تشخص قائم کرنے میں سرگرم عمل ہو گئی ہیں۔

آمرانہ طرزِ حکومت میں شخصی حکومت' مغربی جمہوریت اور کمیونزم کی تمام خرابیاں موجود ہیں۔ یہ نظام بھی انسانیت کے لئے اتنا ہی زہر قاتل ہے جتنے دیگر خود ساختہ نظام سلطنت ہیں۔ عراق ایسے ہی نظام کی وجہ سے مصائب کا شکار ہے۔ بقول اقبال ؎

زمامِ کار اگر مزدور کے ہاتھوں میں ہو پھر کیا
طریقِ کوہ کن میں بھی وہی حیلے ہیں پرویزی
جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

شہر کی طولانی بھی جرائم کی آماج گاہ ثابت ہوتی ہے۔ اِس وقت دنیا میں ہر ملک اس مسئلے سے دوچار ہے۔ کراچی کی بدامنی اور دہشت گردی اسی کا نتیجہ ہے۔ ہمسایہ ملک بھارت کے شہر ممبئی میں دو لاکھ افراد کا گھر فٹ پاتھ ہے۔ ایسے افراد نہ صرف سماج کی پیشانی پر بدنما داغ ہوتے ہیں بلکہ بہت سی سماجی برائیاں بھی انہی کی مرہونِ منّت ہوتی ہیں۔ اس کیلئے امیرالمومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان بہترین رہنما اصول بنتا ہے کہ جب کسی شہر کی آبادی حد سے تجاوز کرنے لگے تو اس کے قریب دوسرا شہر آباد کردو۔

اگر کسی قوم کو مخلص رہنما مل جائے تو عوام کے قلوب اس کے دل کی دھڑکن کے ساتھ دھڑکتے ہیں۔ ترکی میں مصطفیٰ کمال اتاترک' پاکستان میں بابائے قوم محمد علی جناح اور ایران میں امام خمینی ایسے ہی قائد گزرے ہیں۔ "بڑی شخصیت عدد "ایک" کی مانند ہے۔ جب عوام کسی بڑی شخصیت کے دائیں جانب لگ جاتے ہیں تو وہ ایک سے سو' ہزار' لاکھ' کروڑ اور ارب بن جاتے ہیں"۔[1] دنیا میں عوام کی شیرازہ بندی کے لئے قائدین کا قحط الرجال ہے۔ اس لئے سب کی اپنی اپنی ڈفلی اور اپنا اپنا راگ ہے۔

فرائڈ کا کہنا ہے کہ انسان میں پیدائشی طور پر دو خواہشیں موجود ہیں۔ زندگی سے محبت (روٹی' کپڑا' مکان) اور جنسی خواہش۔ ان دونوں خواہشوں کی تکمیل کے لئے کسی اخلاق' تہذیب اور شائستگی کی ضرورت نہیں' کیونکہ اخلاق وحشی قبائلی دور کی یادگار ہے۔ اخلاق انسانی طبیعت سے ہم آہنگ نہیں ہے بلکہ خارج سے مسلّط کردہ ہے۔ اخلاق ایک ایسا بندھن ہے جو انسان کو آزادانہ عمل سے باز رکھتا ہے' فرد کو بھرپور آزادی سے مستفید ہونے میں مانع ہے اور اس وجہ سے فرد نفسیاتی امراض اور اعصابی اضطراب کا شکار ہو جاتا ہے۔ مہذب بننے کے لئے ضروری ہے کہ اخلاق کے باقی ماندہ اثرات بھی مٹا دیئے جائیں۔

زمانہ جاہلیت میں بچیوں کو زندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔ پھر ایک دور آیا جب عورتوں کو شوہر کے مرنے پر ستی کے نام پر چتا میں جلایا جانے لگا۔ آج مغرب میں تہذیب کے نام پر عورت کو قربان کیا جا رہا ہے۔ وہاں عورت اپنی نسوانیت سے ہاتھ دھو بیٹھی ہے بلکہ انسانیت کے مرتبے سے گر کر حیوانی خواہشات کی گرفت میں آکر اس سراب پر چل نکلی ہے جس پر دورِ جہالت میں سرگرداں تھی۔ امریکہ میں دنیا میں سب سے زیادہ جنسی آزادی ہے۔ وہاں عورت سخت خطرناک اجتماعی مسئلہ بنتی جا رہی ہے۔ فرانس میں اس سے بھی پہلے جنسی بے راہ روی کا شکار ہو کر خاندانی نظام کا شیرازہ بکھر چکا ہے۔ میاں بیوی نے ایک دوسرے سے یہ توقع رکھنا ہی چھوڑ دی کہ وہ خالصتاً ایک دوسرے کے لئے ہو سکتے ہیں۔ عورتوں کی آزادی میں بھی مَردوں کی عیّاشی کی ایک چال ہے۔ دی نیو

یارک ٹائمز نے بین الاقوامی تنظیم ایمنسٹی انٹرنیشنل اور ہیومن رائٹس واچ کے حوالے سے لکھا ہے کہ "امریکی جیلوں میں خواتین کے ساتھ انسانیت سوز سلوک ہوتا ہے۔ جیل میں ۸۰ ہزار خواتین اڑھائی لاکھ بچوں کی مائیں بن چکی ہیں"۔ اس جنسی بے راہ روی کا یہ نتیجہ نکلا ہے کہ مغرب میں عورت نے مرد پر اعتبار کرنا چھوڑ دیا ہے جس کی وجہ سے شرح پیدائش میں انتہائی کمی واقع ہو گئی ہے۔[۲] بقول اقبال ؎

کیا یہی ہے معاشرت کا کمال
مرد بے کار و زن تہی آغوش؟

اس کے لئے مغرب نے ایک چال چلی ہے کہ جو ملک جنسی بے راہ روی کا شکار نہیں اور وہ فطری انداز میں شرح پیدائش بڑھا رہے ہیں' انہیں آبادی کے دباؤ کی دہائی دے کر آبادی بڑھانے سے باز رکھا جائے۔ امریکہ اور اس کے حاشیہ بردار کئی دوسرے مغربی ممالک اس مقصد کے لئے لاکھوں پونڈ اور ڈالر خرچ کر رہے ہیں۔ پاکستان بھی اندرونی طور پر چند مسائل کا شکار ہے جس کی وجہ سے یہاں عدم برداشت کا رجحان فروغ پا رہا ہے۔ ان عوامل میں دو قومی نظریئے کی مخالفت' غیر اسلامی طرز حکومت' انصاف کے حصول میں دشواری' سرمایہ داری اور جاگیرداری زیادہ اہم ہیں۔

پاکستان دو قومی نظریئے کی بنیاد پر معرض وجود میں آیا۔ تحریک پاکستان میں دو قومی نظریئے پر برِّ عظیم کے مسلمان متحد ہوئے اور پاکستان کا حصول ان کا نصب العین بن گیا۔ تحریک پاکستان میں مسلمانوں کا ایک طبقہ کانگرس کے متحدہ قومیت کے نعرے سے متأثر ہو کر کہہ اٹھا کہ قومیں اوطان سے بنتی ہیں' ہم ہندوستانی ہیں اور ہندوستان کی تقسیم نہیں ہونے دیں گے۔ وہ طبقہ کانگرس کے اقتدار میں اپنے لئے بہتر اور بڑے مناصب کے خواب دیکھ رہا تھا۔ پاکستان ناگزیر تھا' معرض وجود میں آگیا تو دو قومی نظریئے کے مخالف پاکستان کے مخالف بن گئے۔ انہوں نے نظریۂ پاکستان کو غلط ثابت کرنے کے لئے بھارت کے ہاتھ مضبوط کئے اور ۱۹۷۱ء میں پاکستان کے مشرقی بازو کو الگ کر کے پاکستان کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا۔

اسلام کا نظامِ حکومت شورائی ہے' جو مغربی جمہوریت کی ضد ہے۔ مغربی جمہوریت کے لئے غیر طبقاتی معاشرت اور عوام کا سو فی صد تعلیم یافتہ ہونا ضروری ہے۔ یہ دونوں باتیں پاکستان میں موجود نہیں۔ عوام کی اکثریت ناخواندہ اور سرداروں' جاگیرداروں' سرمایہ داروں اور خوانین کے زیر اثر ہے جو آزادانہ سوچ سے عاری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قومی و ملکی سوچ سے عاری افراد منتخب ہو کر بار بار اسمبلی تک پہنچتے ہیں۔ جمہوری عمل کو بار بار کے مارشل لاؤں نے بھی نقصان پہنچایا ہے۔ اس سے نہ تو جمہوری عمل پروان چڑھ سکا اور نہ قائدین و عوام کا مزاج جمہوری بن سکا۔

پاکستان میں انصاف کے حصول میں دشواری بھی اہل پاکستان کے عدم برداشت کے رجحان کی آبیاری کر رہی ہے۔ انصاف کے حصول کا طریقہ' کار مہنگا' طویل اور صبر آزما ہے۔ اس لئے لوگ اپنا انتقام خود لینے کی راہ اختیار کرتے ہیں۔ اب تو پولیس نے بھی ماورائے عدالت ملزموں کی سرکوبی کی راہ اپنالی ہے۔

سرمایہ داری اور جاگیرداری بھی پاکستانی معاشرے کیلئے سوہانِ روح بنی ہوئی ہے۔ منافع کے حصول کے لئے سرمایہ دار مزدور کا استحصال کرتا ہے۔ استحصال سرمایہ داری کے مزاج میں شامل ہے۔ پیداوار کے ہتھیانے کیلئے جاگیردار کسان کا حق تلف کرتا ہے۔ جبر جاگیرداری کی سرشت میں داخل ہے۔ پاکستان بننے کے بعد یہ دونوں لعنتیں یہاں موجود رہیں اور پاکستانی معاشرے میں انتشار کا باعث بنتی رہی ہیں۔ "جہاں تک اسلام کا تعلق ہے تو اس کی نظر میں تو سرمایہ داری بھی حرام ہے اور پُر تعیش زندگی بھی"۔ (۳)

تعلیماتِ نبوی ﷺ

نظامِ ملک گیری ہو کہ نظامِ ملک داری' قانون سازی ہو کہ اس کا نفاذ' صلح ہو کہ جنگ' انفرادی ذمہ داری ہو کہ اجتماعی ذمہ داری' خود آگاہی ہو کہ خدا آگاہی' اخلاقیات ہوں کہ عبادات' معاشیات ہوں کہ اقتصادیات اور ملکی معاملات ہوں یا بین الاقوامی سیاسیات' سب میں قرآن مجید نے رحمۃ للعالمین ﷺ کو انس و جن کے لئے اُسوۂ حسنہ قرار دیا ہے۔ آپ ساری دنیا کیلئے ایک کامل اور اکمل نمونہ بن کر تشریف لائے۔ آپ کا

یہ کامل اُسوہ انسانی زندگی کے ہر پہلو کو محیط ہے۔ بقول حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا "کَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ" آپؐ کی پوری حیاتِ طیبہ قرآن کریم کی تفسیر و عملی نمونہ تھی۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی زندگی مبارک کو اہلِ ایمان کیلئے اُسوۂ حسنہ قرار دیا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے ﴿ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ﴾ (الاحزاب : ۲۱)

آپ ﷺ کے اُسوۂ حسنہ کی کچھ جھلکیاں اور تعلیماتِ نبوی ﷺ سے چند اقتباسات سپردِ قلم کئے جاتے ہیں جن کی روشنی میں قومی و بین الاقوامی مزاج میں عدم برداشت کا جو رجحان پیدا ہو گیا ہے' اسے اعتدال میں لایا جا سکتا ہے۔

آفاقیت

حضرت آدم علیہ السلام اور مائی حوا کا ملاپ مکّہ میں ہوا اور اس جوڑے سے زمین پر بنی نوعِ انسان کی ابتدا ہوئی۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے مختلف خِطّوں میں آباد ہوتے چلے گئے اور یوں نسل انسانی کرۂ ارض پر پھیلتی چلی گئی۔ آپ ﷺ نے دنیا بھر کی مخلوقِ خدا کو اللہ تعالیٰ کا کنبہ قرار دیا۔ ارشادِ نبویؐ ہے :

((اَلْخَلْقُ عَيَالُ اللّٰهِ فَاحَبُّ الخلقِ اِلَى اللّٰهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰى عِيَالِهٖ))

"مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کو وہ شخص زیادہ محبوب ہے جو اس کے کنبے کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے"۔

جس طرح کرۂ ارض پر بسنے والے سب انسان ایک ہی باپ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں' اسی طرح ہر خطے کے اندر بسنے والے مختلف رنگ' نسل اور زبان بولنے والوں کا سلسلۂ نسب بھی حضرت آدم علیہ السلام سے جا ملتا ہے۔ یوں سب بڑا عظموں کے انسان مساوی حیثیت کے قرار پاتے ہیں اور ان میں کوئی اعلیٰ اور ادنیٰ ذات کا نہیں رہتا۔ ارشادِ خداوندی ہے :

﴿ يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا ﴾ (الحجرات : ۱۳)

"لوگو! ہم نے تم (سب) کو ایک مرد (آدم علیہ السلام) اور ایک عورت (حوا) سے پیدا

کیا اور پھر تمہاری ذاتیں اور برادریاں ٹھہرائیں تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کر سکو۔"

آپؐ نے رنگ، نسل، زبان اور جغرافیائی حدود کے امتیاز کی نفی کرتے ہوئے فرمایا:

((یٰاَیُّھَا النَّاسُ اَلَا اِنَّ رَبَّکُمْ وَاحِدٌ وَاِنَّ اَبَاکُمْ وَاحِدٌ لَا فَضْلَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی عَجَمِیٍّ وَلَا لِعَجَمِیٍّ عَلٰی عَرَبِیٍّ وَلَا لِاَحْمَرَ عَلٰی اَسْوَدَ وَلَا لِاَسْوَدَ عَلٰی اَحْمَرَ اِلَّا بِالتَّقْوٰی)) (مسند امام احمد)

"اے لوگو! بخوبی سمجھ لو تمہارا سب کا پروردگار ایک ہے اور یوں تمہارا باپ (حضرت آدمؑ) بھی ایک ہے۔ لہٰذا کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر اور کسی کالے کو گورے پر اور کسی گورے کو کالے پر کوئی برتری حاصل نہیں۔ اگر کسی کو بزرگی اور فضیلت حاصل ہے تو حسب و نسب کی وجہ سے نہیں بلکہ زہد و تقویٰ کی وجہ سے ہے۔"

آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر حسب و نسب کے فخر و غرور کی نفی کرتے ہوئے بنی نوع انسان کے خون، عزت و آبرو اور مال کو ایک دوسرے کے لئے مقدس قرار دیا۔ ارشاد نبویؐ ہے:

((اِنَّ دِمَاءَ کُمْ وَاَمْوَالَکُمْ عَلَیْکُمْ حَرَامٌ کَحُرْمَةِ یَوْمِکُمْ ھٰذَا فِیْ شَھْرِکُمْ ھٰذَا فِیْ بَلَدِکُمْ ھٰذَا یَوْمَ تَلْقَوْنَ رَبَّکُمْ)) (بخاری و مسلم)

"لوگو! تمہارے خون اور تمہارے مال ایک دوسرے پر اس ماہ (حج) اس شہر (مکہ) اور اس دن (یوم حج) کی حرمت کی طرح حرام ہیں، اس دن تک جس دن تم اپنے رب سے ملاقات کرو گے۔"

بقول اقبال ؎

نہ افغانیم و نے ترک و تتاریم
چمن زادیم و از یک شاخساریم
تمیزِ رنگ و بُو برما حرام است
کہ ما پروردۂ یک نو بہاریم

"تمام انسان کنگھی کے دندانوں کی طرح برابر ہیں" : (حدیث)

اسلام نہ صرف حسب و نسب کے امتیاز کی نفی کرتا ہے بلکہ وطن کی تفریق کو بھی انسانیت کے لئے سمِ قاتل قرار دیتا ہے۔ وطن کو انسانیت کی تفریق کے لئے بطور ہتھیار استعمال کیا جاتا ہے۔ اسلام اور نسلی، قومی و وطنی امتیازات ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ یہ امتیازات اسلام بلکہ تمام عالم انسانیت کے سب سے بڑے دشمن ہیں۔ ؎

اقوام میں مخلوقِ خدا بٹتی ہے اس سے
قومیت اسلام کی جڑ کٹتی ہے اس سے

آنحضرت ﷺ کی دعوت آفاقی ہے۔ اس میں کسی خطے، نسل، قبیلے، کنبے یا قوم کا اختصاص نہیں۔ قرآن مجید آپؐ کی اس آفاقی حیثیت کو یوں بیان کرتا ہے : ﴿قُلْ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا﴾ (الاعراف : ۱۵۸) یعنی "فرمایئے! اے انسانو! میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں"۔ شاہ ایران کے نام مکتوب گرامی میں یہ الفاظ بھی آپؐ کی آفاقی حیثیت پر گواہ ہیں : ((اِنِّیْ اُنْذِرُ سُوْلُ اللّٰہِ اِلَی النَّاسِ کُلِّھِمْ)) (طبری ج ۳) بے شک میں تمام کے تمام انسانوں کی طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں۔ نسلی و قومی امتیازات کے نتیجے میں غلامی کا رواج ہوا اور یہ انسانیت کی پیشانی پر بدنما داغ بن گیا۔ رسول اللہ ﷺ کی آمد (۵۷۱ء) کے وقت انسانی معاشروں میں غلاموں کی زندگی حیوانوں سے بدتر ہو کر رہ گئی تھی۔ خود عرب معاشرے میں ہزاروں غلام موجود تھے۔ اس لئے اس ادارے کو فوری ختم کرنا خود ان کے لئے باعثِ ہلاکت ثابت ہو سکتا تھا۔ اس لئے آپ ﷺ نے غلامی کو ختم کرنے کے لئے انتہائی حکیمانہ اقدامات کئے۔ آپؐ نے غلاموں کے بارے میں سخت تاکید فرمائی کہ جس کے پاس مملوک اور غلام ہوں تو جو کھانا وہ خود کھائے وہی غلام کو کھلائے، جیسا لباس خود پہنے غلام کو اسی طرح کا لباس پہنائے، اس پر کام کا اتنا بوجھ نہ ڈالے جسے وہ نہ کر سکے۔ بہتر یہ ہے کہ ان کی گزران کا بندوبست کر کے آزاد کر دے۔ ارشاد نبویؐ ہے :

((اِخْوَانُکُمْ جَعَلَھُمُ اللّٰہُ تَحْتَ اَیْدِیْکُمْ))

"یہ تمہارے بھائی ہیں، جنہیں اللہ نے تمہارے ماتحت کر دیا ہے"۔

اس سے اسلامی معاشرے میں عملاً غلامی کا خاتمہ ہو گیا یا مسلم معاشرے میں غلام ہونا کوئی عیب نہ رہا۔ حضرت بلال، حضرت صہیب رومی اور حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہم وغیرھم سیدنا بلال، سیدنا صہیب رومی اور سیدنا زید بن حارث رضی اللہ عنہم بن گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حبشی غلام سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو کعبے کی چھت پر کھڑا کر کے اذان دینے کا عظیم اعزاز بخشتے ہوئے رنگ و نسب، مال و منال اور جاہ و حشم کے بتوں کو پاش پاش کر کے عظمتِ انسانیت کا اعلان فرمایا۔

اسلامی تاریخ میں مصر میں برسوں مسلم ممالیک (غلاموں) کی حکومت رہی۔ ہندوستان میں خاندان غلاماں کی حکومت مدتوں رہی۔ ہندوستان میں قطب الدین ایبک، غیاث الدین بلبن اور ہندوستان پر سترہ حملے کرنے والے محمود غزنوی غلام خاندان ہی سے تھے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ بنی تمیم کے موالیوں میں سے تھے۔ سینکڑوں ائمۂ حدیث، فقہ و تفسیر غلام ہی ہوئے ہیں۔ ہری چند اختر کہتے ہیں۔

کس نے ذرّوں کو اٹھایا اور صحرا کر دیا
کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا
کس کی حکمت نے یتیموں کو کیا دُرِّ یتیم
اور غلاموں کو زمانے بھر کا مولا کر دیا
شوکتِ مغرور کا کس ذات نے توڑا طلسم
منہدم کس نے الٰہی قصرِ کسریٰ کر دیا
آدمیت کا غرض ساماں مہیّا کر دیا
اک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا

عدل و انصاف

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ایسا مثالی معاشرہ قائم کرنا تھا جس کی بنیادیں عدل و انصاف، صلح و آشتی، اخوت و مساوات، خدا شناسی اور خود آگاہی پر استوار ہوں۔ آپ ایک ایسی فلاحی ریاست قائم کرنا چاہتے تھے جس میں کوئی فرد کسی

دوسرے فرد کے حقوق کو پامال نہ کر سکے۔ جہاں ہر شخص کی عزت و عصمت محفوظ ہو' ہر شہری کو اپنے رہن سہن اور حصول معاش کے یکساں مواقع میسر ہوں' طاقت ور کسی کمزور پر ظلم نہ کر سکے اور کوئی فرد اپنے بنیادی حقوق سے محروم نہ رہے۔ وہاں خدا کا قانون نافذ ہو اور وہ امن و آشتی کا گہوارہ بن جائے۔ یہ سب آپ ﷺ نے چند برسوں میں ۱۰ لاکھ مربع میل کے رقبے میں فلاحی ریاست قائم کر کے دکھایا۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانۂ خلافت کے دس سالوں میں اسلام جزیرہ نمائے عرب سے نکل کر ایران' عراق' شام' مصر اور افریقہ تک جا پہنچا۔ اسلامی نظامِ حکومت میں "سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ" (قوم کا سردار اصل میں قوم کا خادم ہوتا ہے) کا زریں اصول کار فرما ہوتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ اگر دریائے دجلہ کے کنارے کوئی کتّا بھوکا مر گیا تو عمر رضی اللہ عنہ سے اُس کی باز پرس ہو گی۔

عدل و انصاف اسلامی حکومت کے بقا کی علامت ہے۔ خلیفہ چہارم حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ لادینی حکومت قائم رہ سکتی ہے مگر انصاف کے بغیر کسی سلطنت کا اپنے وجود کو قائم رکھنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ ارشاد خداوندی ہے :

﴿ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ﴾ (المائدہ : ۸)

"اور تمہیں کسی گروہ کی دشمنی اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم عدل کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دو۔ عدل کرتے رہو یہ تقویٰ سے قریب تر ہے"۔

اسلامی حکومت غیر مسلموں کی جان' مال' عزت اور بنیادی حقوق کی اُسی طرح پاس داری کرتی ہے جس طرح مسلمانوں کے حقوق کی ضمانت دیتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے :

((اَلَا مَنْ ظَلَمَ مُعَاهِدًا اَوِ انْتَقَصَهٗ اَوْ كَلَّفَهٗ فَوْقَ طَاقَتِهٖ اَوْ اَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بِغَيْرِ طِيبِ نَفْسِهٖ فَاَنَا حَجِيْجُهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) (ابو داؤد)

"جس کسی نے کسی غیر مسلم ذمی پر ظلم کیا یا اس کے حقوق میں کمی کی یا اس کی طاقت

سے زیادہ اس کو تکلیف دی یا اس کی کوئی چیز اس کی دلی رضامندی کے بغیر حاصل کی تو قیامت کے روز میں اس کی طرف سے وکیل بن کر دعویٰ دائر کروں گا۔"

اسلام کے صیغہ عدل و انصاف میں سب برابر ہیں۔ ایک دفعہ فاطمہ نامی ایک عورت چوری کے جرم میں پکڑی گئی۔ اس کے خاندان بنو مخزوم نے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کے ذریعے اس کے حق میں سفارش کرائی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہایت ہی ناراض ہوئے اور فرمایا: "کیا تم حدود اللہ میں سفارش کرتے ہو؟ اگر میری بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا بھی ایسا کرتی تو میں اس کا ہاتھ بھی کاٹ دیتا"۔

اصلاحِ معاشرہ

معاشرتی استحکام کے لئے ارشادِ خداوندی ہے :

﴿ لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ ﴾ (الحجرات : ۱۱)

"نہ مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہئے' ہو سکتا ہے وہ ان سے بہتر ہوں اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہئے' ہو سکتا ہے وہ ان سے بہتر ہوں۔"

﴿ وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۭ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۭ ﴾ (الحجرات : ۱۲)

"اور کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے' کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ حالانکہ اس کو تم ناگوار سمجھتے ہو۔"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "جو تم اپنے لئے پسند کرتے ہو وہی اپنے بھائی کے لئے پسند کرو"۔ اور فرمایا : "نرمی' محبت اور مودت میں مؤمنین کی مثال جسم کی سی ہے۔ اگر جسم کے کسی حصے میں تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم ہی تکلیف' بے خوابی اور بخار محسوس کرتا ہے"۔ مزید فرمایا : "تم میں سے جو کوئی برائی دیکھے تو اپنے ہاتھ سے مٹا دے' اگر ایسا نہ کر سکے تو زبان سے اُسے برا کہے اور اگر ایسا بھی نہ کر سکے تو دل میں برا سمجھے۔ یہ

ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے۔"

جاگیرداری :

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مفتوحہ علاقوں کی زمینوں کو بیت المال کی ملکیت (خراجی اراضی) قرار دیا۔ اس کے باوجود بنو امیہ کے زمانے میں جاگیرداری کے اثرات رونما ہوئے تو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے جاگیرداری نظام کو ختم کر کے اسلامی حکومت میں سیاست اور مالی شعبوں میں پیدا شدہ بگاڑ کی اصلاح کی۔ انہوں نے بنو امیہ سے لوگوں کا سرمایہ لے کر انہیں واپس کیا اور ہندوستان سے افریقہ تک پھیلی ہوئی اسلامی حکومت میں ایسا اجتماعی اور معاشی انصاف قائم کیا کہ عمالِ زکوٰۃ فقراء اور محتاجوں کی تلاش میں نکلتے مگر انہیں زکوٰۃ کا حق دار نہ ملتا کیونکہ سب لوگ ہاتھ کی کمائی سے مستغنی ہو گئے"۔ (۴) آپ ایسی ہی اصلاحات کی وجہ سے مجدد اوّل کہلاتے ہیں۔

جاگیرداری نظام پاکستان میں ایک لعنت ہے۔ خاص طور پر سندھ کی دھرتی کا سب سے بڑا المیہ یہی ہے۔ اس زرخیز خطے میں جاگیرداری نظام اپنی بدترین شکل میں موجود ہے۔ سندھی ہاری انتہائی پسماندہ زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ اقتصادی طور پر جاگیرداری نظام نے انہیں پابندِ سلاسل کر رکھا ہے اور مذہبی طور پر نام نہاد گدی نشینوں اور پیروں نے انہیں غلام بنا رکھا ہے۔ جاگیرداری نظام نے پاکستان کو دولخت کیا اور اب موجودہ پاکستان کی ترقی میں بھی رکاوٹ بن رہا ہے۔

مسکرات

مغرب مہلک ہتھیاروں سے انسان کی تباہی و بربادی کا سامان بہم پہنچا رہا ہے اور اس کے جواب میں مشرق مسکرات کے ذریعے انسان کی ہلاکت کا باعث بن رہا ہے۔ اسلام نے ہر نشہ آور چیز کو حرام قرار دیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے :

﴿ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ﴾ (البقرۃ : ۲۱۹)

"لوگ آپؐ سے شراب اور قمار کی نسبت دریافت کرتے ہیں۔ آپؐ فرما دیجئے کہ ان دونوں کے استعمال میں گناہ کی بڑی بڑی باتیں ہیں اور لوگوں کے بعض فائدے بھی ہیں' اور گناہ کی باتیں ان فائدوں سے زیادہ بڑھی ہوئی ہیں۔"

ارشاد نبویؐ ہے ((كُلُّ مُسْكِرٍ خَمْرٌ وَكُلُّ مُسْكِرٍ حَرَامٌ)) "ہر نشہ آور چیز شراب ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے"۔ آج کل ہیروئن کا چلن ہے۔ یہ شراب سے بھی زیادہ مہلک اور تباہ کن ہے۔ اسلام میں ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور اس کا تیار کرنے والا' کاروبار کرنے والا اور استعمال کرنے والا مجرم ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے "میری امت میں کچھ لوگ نام بدل کر شراب کا استعمال کریں گے"۔

سود

سود قوموں کی معیشت کو دیمک کی طرح چاٹ لیتا ہے۔ یہودی سودی کاروبار کی وجہ سے پوری دنیا میں ملامت کی علامت بن چکے ہیں :

((لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ آكِلَ الرِّبَا وَمُوْكِلَهُ وَشَاهِدَهُ وَكَاتِبَهُ)) (ابوداؤد' کتاب البیوع)

"آنحضرت ﷺ نے سود کھانے والے' سود کھلانے والے' اس پر گواہی دینے والے اور اس کے لکھنے والے پر لعنت بھیجی ہے"۔

رشوت

رشوت عدل و انصاف میں رخنہ ڈال کر معاشرے کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیتی ہے :

((لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : اَلرَّاشِيْ وَالْمُرْتَشِيْ))

"آپ ﷺ نے راشی (رشوت دینے والے) اور مرتشی (رشوت لینے والے) دونوں پر لعنت فرمائی"۔

جہاد

مسلمانوں کو دنیا میں اللہ کا کلمہ سربلند رکھنے' امن و امان قائم رکھنے اور ظالم و مظلوم

کی مدد کرنے کے لئے ہمیشہ ہتھیار بند رہنے کا حکم دیا گیا ہے :

﴿ وَاَعِدُّوْ لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ ﴾ (الانفال : ٦٠)

" اور کافروں کے لئے جس قدر تم سے ہو سکے' ہتھیار سے اور پلے ہوئے گھوڑوں سے سامان درست رکھو اور اس کے ذریعے سے اللہ کے دشمنوں پر اور اپنے دشمنوں پر اپنا رعب جمائے رکھو۔"

اسلام میں مغرب کی طرح لڑائی اور محبت میں اصولوں کی پامالی کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے میدان جنگ میں ایک عورت کی لاش دیکھی تو ناراض ہو کر فرمایا : ((مَا كَانَتْ هٰذِهٖ تقاتل)) "یہ تو لڑنے والوں میں شامل نہ تھی"۔ (ابن ماجہ کتاب الجہاد)۔ پھر خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو کہلا بھیجا ((لَا تَقْتُلَنَّ اِمْرَاَةً وَلَا عَسِيْفًا)) عورت اور مزدور کو ہرگز قتل نہ کرو۔ (ابو داؤد کتاب الجہاد)۔

جہاد مظلوموں کو ظالموں سے نجات دلانے کا ایک مؤثر ذریعہ ہے۔ ارشاد خداوندی ہے :

﴿ وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۙ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ۝ ﴾ (النساء : ٧٥)

" آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اُن بے بس مردوں' عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پا کر دبا لئے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کر دے"۔

اگر دو اسلامی ممالک ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار ہو جائیں یا اسلامی ملک کے اندر ہی کوئی گروہ بغاوت کر کے امن و امان کو تہہ و بالا کر دے تو انہیں حکمت عملی کے

ساتھ باز رکھنے کی کوشش کی جائے۔ وہ اگر نرمی کی زبان نہ سمجھیں تو زیادتی کرنے والے کا ہاتھ روک لو اور اسے حق کے سامنے گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کردو۔ ارشاد خداوندی ہے :

﴿ وَاِنْ طَائِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ۚ فَاِنْ بَغَتْ اِحْدٰىهُمَا عَلَى الْاُخْرٰى فَقَاتِلُوا الَّتِيْ تَبْغِيْ حَتّٰى تَفِيْٓءَ اِلٰٓى اَمْرِ اللّٰهِ ﴾

(الحجرات : ۹)

"اگر مسلمانوں میں دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو۔ پھر اگر ان میں سے ایک دوسرے پر زیادتی کرے تو اس گروہ سے لڑو جو زیادتی کرتا ہے یہاں تک کہ وہ خداوند تعالیٰ کے حکم کی طرف رجوع کرے"۔

طبقہ اناث :

عورت اور مرد اس جہانِ آب و گل کی ترقی میں برابر کے شریک ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کی بقاء دونوں کے ملاپ میں رکھی ہے۔ ارشاد نبویؐ ہے :

((اتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فليس منی))

(مسلم، کتاب النکاح)

"میں تو عورتوں سے نکاح کرتا ہوں، تو جس نے میرے طریقے سے روگردانی کی، وہ مجھ سے نہیں"۔

ارشاد خداوندی ہے :

﴿ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ﴾ (البقرة : ۲۳)

"عورتیں تمہاری پوشاک ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو"۔

حدیث میں ہے :

((خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ)) (ترمذی)

"تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیویوں کے لئے سب سے بہتر ہے"۔

آپ ﷺ نے فرمایا : "تمہاری دنیا میں مجھے خوشبو اور عورت پسند ہیں اور نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے"۔

محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹیوں کو باپ کی وراثت میں حصہ دار بنایا اور

بیٹی کی پرورش اور تربیت کو ایک مقدس فریضہ قرار دیا۔ ماں کے قدموں میں جنت بتا کر جوانوں کے سر مقدس رشتے پر خم کردیئے۔ طبقہ اناث کو صحیح اور جائز مقام اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسول اکرم ﷺ نے عطا فرمایا۔

عورت لذت تخلیق کا پیکر مجسم ہے۔ اس کی خودی امومت کے فرائض دے کر ہی اپنا استحکام کرسکتی ہے۔ اگر وہ فطرت کے خلاف دوسرا راستہ اختیار کرے گی تو نہ صرف وہ خود نامرادی کی گھاٹیوں میں بھٹک جائے گی بلکہ پوری انسانیت کو قعر مذلت میں دھکیل دے گی۔ اس لئے اس مسئلے پر تعلیمات نبویؐ کی روشنی میں قابو پانا ہوگا۔ عورت جب ماں ہے تو اس کے قدموں میں جنت ہے۔ بہن اور بیٹی کی صورت میں جنت تک لے جانے کا وسیلہ ہے۔ مگر عورت کی بے لگام آزادی اور تعلیماتِ اسلامی سے روگردانی نہ صرف اس دنیا کو جہنم بنا دیتی ہے بلکہ دوسری دُنیا میں بھی اپنے ساتھ کئی مَردوں کو دوزخ کا ایندھن بنانے کا ذریعہ بنے گی۔

اقوامِ عالم اور اہل پاکستان جن عوامل اور اسباب کی وجہ سے عدم برداشت کے رجحان کا شکار ہو رہے ہیں ان کو اعتدال میں لانے کے لئے تعلیمات نبوی ﷺ سے ہی رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ اسی مقالے میں نہایت اختصار سے اُسوۂ حسنہ سے رہنما اصول تحریر میں لائے گئے ہیں۔ ضروری ہے کہ پاکستان جو اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا تھا، عمل کرتے ہوئے ان رہنما اُصولوں کی روشنی میں اسلامی معاشرہ اور فلاحی مملکت قائم کرکے دُنیا کے لئے مثال بنے۔

حواشی

۱) ایم نذیر احمد تشنہ، مینار پاکستان ص ۵۹، گلوب پبلشرز، اردو بازار لاہور، بارِ اول ۱۹۵۸ء

۲) جیل میں عورتیں مجبور تھیں اس لئے وہ مجبوراً مائیں بننے پر مجبور ہوگئیں۔ آزاد عورت بچوں کو جنم دینے کے تکلیف دہ عمل سے دوچار ہونے کے لئے تیار ہیں۔

۳) محمد قطب مصری، اسلام اور جدید مادی افکار (اردو ترجمہ سجاد احمد کاندھلوی) ص ۱۲۰،

اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، ۱۳۔ ای شاہ عالم مارکیٹ لاہور، بار سوم فروری ۱۹۸۴ء

۴) اسلام اور جدید مادی افکار ص ۱۲۰

کتابیات

۱) القرآن

۲) الحدیث

۳) الازہری، پیر محمد کرم شاہ: مقالات جلد اول، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور ۱۹۹۰ء۔

۴) چوہدری افضل حق: محبوب خدا، قومی کتب خانہ لاہور ۱۹۸۳ء۔

۵) محمد حمید اللہ: عہد نبویؐ کے میدان جنگ، حیدر آباد دکن، بدون سن۔

۶) محمد حمید اللہ: عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی، دہلی، ۱۹۲۶ء۔

۷) محمد حمید اللہ: رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، لاہور، ۱۹۵۴ء

۸) مولانا شبلی نعمانی و سید سلیمان ندوی: سیرت النبیؐ، مطبوعہ اعظم گڑھ ۱۳۷۱ھ، ۶ جلدیں

۹) صدیقی، مولانا حامد الرحمٰن کاندھلوی: جامع ترمذی شریف (اردو)، قرآن محل کراچی ۱۹۶۷ء۔

۱۰) صدیقی، مولانا عابد الرحمٰن، صحیح مسلم شریف (اردو)، قرآن محل کراچی، بدون سن۔

۱۱) صدیقی، مولانا عبد الجلیل، سیرۃ النبی، ابن ہشام، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور سن ندارد۔

۱۲) محمد قطب مصری: اسلام اور جدید مادی افکار (اردو ترجمہ سجاد احمد کاندھلوی) لاہور ۱۹۸۴ء۔

۱۳) کاندھلوی، محمد ادریس، سیرۃ المصطفیٰ، لاہور ۱۳۸۱ھ۔

۱۴) منصور پوری، قاضی سلیمان: رحمۃ اللعالمین، لاہور سن ندارد، ۳ جلدیں۔

۱۵) مودودی، سید ابو الاعلیٰ، سیرت سرورِ عالم، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، بار چہارم ۱۹۸۳ء۔

۱۶) ندوی، مولانا سید ابو الحسن، منصب نبوت، مجلس نشریات اسلام کراچی ۱۸، ۱۹۷۶ء۔

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

کردار پر پڑتی ہے۔ ع "ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں!"۔

قائداعظم کی اصول پرستی اور عظمت کردار کا لوہا تو ان کے بدترین دشمنوں نے بھی مانا ہے لیکن ہمارے یہ نادان دوست قائداعظم کی تصویر خاکم بدہن' ایک ایسے بے اصولے اور موقع پرست سیاستدان کے طور پر کرنے کے درپے ہیں جو سالہا سال تک عوام کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے اسلام کا راگ الاپتا رہا اور مقصد حاصل ہو جانے کے بعد یکایک اپنے تمام سابقہ بیانات سے مکر گیا اور اس کے اندر کا چھپا ہوا سیکولر انسان باہر آ گیا ـــــ مسلمانان برعظیم کے عظیم قائد کی اس سے بڑھ کر توہین اور اہانت ممکن نہیں ـــــ ان کا دامن کردار ہر نوع کے داغ اور چھینٹ سے پاک تھا۔

سیدھی سی بات ہے کہ قائداعظم کے ان سینکڑوں بیانات کی تردید و تغلیط کرنے کی بجائے جو تحریک پاکستان کے عروج کے دور میں مسلسل سامنے آتے رہے' قائداعظم کے اس ایک جملے کی اس طور سے تعبیر کرنا ہو گی کہ وہ سابقہ بیانات کے ساتھ ہم آہنگ ہو سکے' اور یہ بالکل ممکن العمل ہے۔ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد اپنی کتاب "استحکام پاکستان" میں اس کی نہایت خوبصورت توجیہہ آج سے کم و بیش پندرہ سال قبل پیش کر چکے ہیں' جن حضرات کو اس موضوع سے دلچسپی ہو وہ مذکورہ کتاب کا ضرور مطالعہ کریں۔

ہم یہاں ان بے بصیرت دانشوروں سے اتنا ضرور عرض کریں گے کہ وہ قائداعظم کی زندگی کے آخری الفاظ کا ضرور مطالعہ کر لیں جو اس ضمن میں حرفِ آخر کا درجہ رکھتے ہیں اور جنہیں ان کے معالج ڈاکٹر ریاض علی شاہ نے مسلمانان پاکستان تک پہنچا کر بہت بڑا احسان کیا ہے ـــــ زندگی کے آخری ایام میں جب قائداعظم کی صحت اس درجے کمزور تھی کہ ان کے بولنے پر بھی ڈاکٹروں نے پابندی لگا دی تھی' قائداعظم پاکستان کے قیام پر اللہ کا شکر اور اپنے دلی اطمینان کا اظہار کرتے ہوئے اپنا یہ آخری پیغام قوم کے نام پہنچا کر دنیا سے رخصت ہوئے کہ "پاکستان کا قیام اللہ کی خصوصی تائید اور اس کے رسول کے فیضان کے بغیر ممکن نہ تھا اور اب مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ یہاں خلافت راشدہ کا نظام قائم کریں" ـــــ کیا اس کے بعد بھی پاکستان کی منزل کے بارے میں کوئی دوسری رائے ممکن ہے ـــــ؟"